فصل دوم

اسلامی نظام اخلاق ومعاشرت کی تباہی

اس وقت پوری دنیا میں اسلامی نظام معاشرت کے خلاف ایک گہری سازش کی جارہی ہے۔اس کی ایک ایک نشانی اور قدر کو پامال اور تباہ کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے آزمائے جاتے ہیں۔اس فصل میں اسلامی نظامِ معاشرت کے خلاف اس سازش کا جائزہ لیا جائے گا۔

قرآنی ونبوی تعلیمات کا ابطال

ا۔عقائد وعبادات

موجودہ تہذیب نے مسلمانوں کو ذہنی وفکری غلامی میں مبتلا کیا ہے۔جس کی وجہ سے موجودہ معاشرت ہمیں ہر لمحہ قرآنی ونبوی احکامات کو پس پشت ڈال کر شیطانی تہذیب کی راہ پر بگٹٹ دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس دورنے ہمیں مغربی و ہندوانہ تہذیب کی غلامی کے شکنجے میں جکڑ ڈالا ہے۔

مغربی لباس،مغربی معاشرت،مغربی آداب واطوار یہاں تک کہ بول چال اور کھانے پینے کے اطوار تک میں بھی ہم مغرب کی بھونڈی نقالی میں لگے ہوئے ہیں۔رب سے بیزار ہوتی ہوئی دنیا میں الحاد، دہریت و مادہ پرستی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیاہے۔قرآن وحدیث کی بجائے کسی مغربی مفکر کا قول زیادہ موثر دلیل کی علامت بن چکا ہے۔روشن خیال اعتدال پسند کی نئی اصطلاح رائج ہوچکی ہے۔

شراب،جوا،انعامی اسکیمیں،تھیٹر، رقص و سرود اور مخلوط معاشرت کو جدید تہذیب کے لوازمات سمجھا جا رہاہے۔ اخلاق، معاشرت،معیشت، سیاست،قانون یہاں تک کہ ہمارے عقائد وعبادات کے متعلق جتنے بھی غیر مسلم نظریات پائے جاتے تھے ان کو ہمارے جدید مفکرین نے اسی طرح سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔انتہا پسندی اور دہشت گردوں کی اصطلاحیں اسلام کے ساتھ نتھی کردی گئیں۔

جہاد پر اعتراض کیا گیا۔مرد وزن کی مساوات کا نعرہ لگایا گیا۔قوانین نکاح وطلاق پر اعتراضات کیے گئے۔رقص و سرود اور موسیقی کو اسلامی نقطہ نظر سے عین حلال ثابت کیا گیا،حجاب کو فرسودگی کی علامت قرار دیا گیا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں جو اسلامی تہذیب رائج ہوگئی تھی اور جس کی وجہ سے معاشرتی نظام مستحکم ہوگیا تھا۔ وہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے پرفریب نعروں کی زد میں آکر ٹوٹ پھوٹ گیا۔

قرآن وسنت سے دوری

امت مسلمہ کا سب سے قیمتی اثاثہ قرآن وسنت ہے۔قرآن وسنت سے گہرا تعلق استوار کرنا ملت اسلامیہ کے عروج کا بہت ہی اہم ذریعہ ہے۔قرآن وسنت ہمارے لیے مکمل دستور حیات ہے،جس میں زندگی کے جملہ معاملات کا

بہترین حل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری درست سمت میں راہنمائی کے لیے احکامات بتائے ہیں۔لیکن بدقسمتی سے آج ہم نے ان کی طرف سے پشت پھیری ہے اور ہم اپنے لیے ذریعہ فلاح باطل اور لادین ازموں اورنظریات میں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہترین دین سے نوازا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو زوال سے بچنے کے لیے یہی وصیت اور نصیحت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جسے اگر تم نے مضبوطی سے تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہوں گے۔یعنی کتاب اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ''۔[1]

دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهَذَا لْكِتَابَ اَقْوَامَاوَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ))۔[2]

''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کوعروج دیتا ہے اور بہت سی قوموں کو اس کی وجہ سے ذلیل اور پستی میں مبتلا کرتا ہے۔''

قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے جب قرآن مجید کو اپنا دستور حیات بنایا تھا تو پوری دنیا میں ان کے نام کا ڈنگا بجتا تھا۔ لیکن آج بدقسمتی سے امت مسلمہ کی بہت بڑی اکثریت قرآنی تعلیمات سے نابلد ہیں۔آج قرآن کی تلاوت تو کی جاتی ہے کہ لیکن اس کے اصل مقصد اور تعلیم سے نا واقف ہے۔ آج ملت اسلامیہ کی اتنی وسیع وعریض زمین پر کہیں بھی قرآن کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں دیا گیا ہے۔قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور غلاف کے اندر اچھی طرح بند کرنے سے زیادہ حقوق ادا کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارک سے غیر قومیں سبق لیتی ہیں،لیکن آج ہمارے ہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔آج ہم لادین اور طاغوت کی علمبردار شخصیات سے بہت جلد متاثر ہوتے ہیں لیکن اس عظیم ہستی کی تعلیمات اور سیرت سے بالکل بےخبر ہیں جس کی لاثانی حیثیت کی گواہی پتھر اور درخت بھی دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے دعوے تو ہم کرتے ہیں لیکن آپؐ کی تعلیمات اور سیرت کو اپنے اوپر لاگو کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یہی بنیادی خرابی ہے جو اس امت کے زوال کا سبب بنی اور ایسی قومیں بہت جلد قصہ پارینہ بن جاتی ہیں جو اپنے دستور حیات اور تشخص کی بقاء کے بجائے غیروں کے رنگ میں رنگتی ہیں۔

ایمانیات کی نفی

ایک مسلمان کے لیے سب سے پہلے اسلام کے بنیادی عقائدوایمانیات کو صدقِ دل سے تسلیم کرنا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی بھی انسان اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا اور پھر ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اُس کا عمل ان ایمانیات کے مطابق ہو۔اللہ تعالیٰ نے ان عقائد میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ جس کا عقیدہ جتنا پختہ ہوگا وہ اتنا ہی برائیوں سے دور ہوگا۔ یہی

١۔ مؤطا امام مالك ۔ باب النهى عن القول بالقدر،(ح١٥٩٤)

٢۔ صحيح مسلم كتاب فضائل القرآن ومايتعلق به،باب :فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه و فضل من تعلم حكمة من فقه اوغيره فعمل بها وعلمها ،(ح١٨٩٧)

وجہ ہے کہ قرونِ اولیٰ میں مسلمان میں برائی کا نہ صرف ارتکاب بہت کم ہوگیا تھا بلکہ لوگ برائی کرنے کا سوچتے بھی نہیں تھے لیکن جیسے جیسے ان کا ایمان کمزور ہوتا گیا یہ برائیوں کی دلدل میں پھنستے گئے اور آج مسلمانوں کا اللہ پر ایمان اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ وہ عملاً مسلمانوں کو برائیوں کے ارتکاب سے روک نہیں سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے کمزور ہونے سے مسلمان تقویٰ جیسی عظیم صفت سے محروم ہوتے جارہے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے زندگی کی بنیاد 'تقویٰ' کو قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی تہذیب کی سنگ بنیاد کا یہ نظریہ ہے کہ انسان ایک عام مخلوق نہیں بلکہ وہ اللہ کی طرف سے اپنا نائب بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اپنے منتخب کردہ نائبین کو انبیاء بنا کر بھیجا گیا اور ان انبیاء کے ذریعے سے معاشرتی نظام کا ایک مستحکم ڈھانچہ بھی فراہم کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں انسان کی زندگی کا یہ نصب العین قرار پایا کہ وہ اپنے خالق اور اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرے اور اس نصب العین کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے:

اولاً: وہ خدا کی صحیح معرفت حاصل کرے۔

ثانیاً: وہ صرف خدا کو آمر اور ناہی، حاکم اور مطاع سمجھے اور اپنے اختیار کو احکام خداوندی کے تابع کردے۔

ثالثاً: وہ ان طریقوں کو معلوم کرے جن سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے اور جب وہ طریقے معلوم ہوجائیں تو انہی کے مطابق زندگی بسر کرے۔

رابعاً: وہ خدا کی خوشنودی کے ثمرات اور اس کی ناخوشی کے نتائج سے واقف ہو، تاکہ حیات دنیا کے مکمل نتائج سے دھوکہ نہ کھائے۔[۳]

مگر آج کی ناخدا تہذیب ان سارے تقاضوں کی باغی بنتی جارہی ہے۔ قرآن کریم کا سلام حکم ایمان بالغیب کا تقاضا کرتا ہے۔

﴿الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾[۴]

''الف، لام، میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے ان پرہیز گار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں''۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کی بنیادی صفت ہی ایمان بالغیب ہے مگر دور جدید ہر چیز کو سائنسی طور پر ثابت کرنے کا ثبوت مانگ رہا ہے اور اس طرح قرآن کریم میں مسلمانوں کی اولین صفت کی تردید ہوتی نظر آرہی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرتؐ لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس اللہ کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ پھر اس نے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے پھر جواب دیا کہ

۳۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، ص ۱۲۷ ۴۔ البقرہ ۲:۱

اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دو، فرض ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے احسان کے متعلق پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی ؟ آپؐ نے فرمایا اس کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں اس کی نشانیاں بتا سکتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے (دیہاتی لوگ ترقی کرتے کرتے) مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے ترقی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ یاد رکھو کہ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ''سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا کچھ کرے گا نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔ یاد رکھو اللہ پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے۔ پھر وہ پوچھنے والا پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ آپؐ نے فرمایا اسے واپس بلا کر لاؤ، لوگ دوڑ پڑے، مگر وہ نظر نہ آیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ جبرئیلؑ تھے جو لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے۔[۵]

موجودہ تہذیب حدیث جبرائیل میں موجود ان بنیادی احکامات کی کلی طور پر تردید کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

نظام عبادات سے بیزاری

عبادات کا پورا نظام معاشرتی و خاندانی نظام کے استحکام کا ذریعہ ہے مگر آج یہ نظام شیطانی تہذیبی یلغار کے سامنے کمزور پڑتا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے اصل مطلوب عبادت ہی ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾[۶]

''میں نے جنون اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

''قرآن میں تقویٰ کو عبادت کا حاصل قرار دیا گیا ہے۔ عبادت اپنے خارجی ظہور کے اعتبار سے اپنے رب کے آگے جھکنے کا نام ہے اور اپنی داخلی حقیقت کے اعتبار سے خدا کے اس گہرے ادراک اور اس سے شدید تعلق کا نام ہے۔ عبادت کا لفظ اگرچہ ایک لحاظ سے ساری شریعت پر حاوی ہے کیونکہ بندہ اپنے محبوب کو راضی کرنے اور اس کے حکم پر کاربند ہونے کے لیے جو کچھ کرتا ہے ان سب کا محرک اس کا جذبہ عبودیت ہی ہوتا ہے''۔[۷]

مگر عبادت اصلاً واولاً اس مخصوص عمل کا نام ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ہوتا ہے۔ انسان سے اللہ کو درحقیقت جو چیز مطلوب ہے وہ یہی ہے کہ انسان کی رضا حاصل کرلے اور اس کا نام عبادت ہے۔ عبادت کا وہ مظہر جو انسان کی اپنی ذات کی نسبت سے وجود میں آتا ہے اس کا نام اطاعت ہے اور اسلام انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کی اطاعت کو انسان کے لیے

۵۔ محمد فواد عبدالباقی :اللولو والمرجان ،جلد اول ،کتاب الایمان ، باب الایمان ماھوو بیان خصالہ ،ص ۳۵، ۳۶

۶۔ الذاریات ۵۱:۵۶ ۷۔ ابوالفضل نور احمد ''عبادات کا حقیقی اور اسلامی تصور'' خواتین انسائیکلوپیڈیا، ص ۷

لازم قرار دیتا ہے۔

عبادت دین کی جان ہے۔ یہ خدا سے بندہ کے تعلق کا اظہار ہے۔ عبادت کا اہتمام خدا سے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ عبادت میں غفلت اور کوتاہی اس تعلق کو کمزور سے کمزور تر کرتی چلی جاتی ہے۔ اس غفلت پر قابو نہ پایا جائے تو یہ تعلق ٹوٹ بھی سکتا ہے۔[۸]

چونکہ خاندان کا دل عورت ہے اور عورت کی عبادت پورے خاندان پر اسی طرح اثر انداز ہوتی ہے جس طرح دل کی بیماری پورے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اگر گھر کی عورت اپنی عبادت کے نظام کو بہتر طور پر سرانجام دیتی ہے تو اسی صورت خاندان کے افراد کو بھی عبادت کی ترغیب ملتی ہے۔

خاندان کی مضبوطی آپس کے اتفاق سے ہوتی ہے اور دل کا سکون ہی افراد کے آپس کے تعلقات کو مضبوطی سے جوڑے رکھتا ہے۔ یہ سکون صرف عبادت سے ہی مل سکتا ہے۔

فکر آخرت سے غفلت

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے ساتھ ساتھ فکر آخرت ہی وہ کوڑا ہے جو انسان کو راہ ہدایت پر گامزن رکھتا ہے۔ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہونے کا احساس اور آخرت کی جواب دہی کا خوف انسانوں کو نیکی کرنے اور برائی سے رک جانے پر آمادہ کرتا ہے مگر موجودہ تہذیب مادہ پرستی، عیش وعشرت اور دنیا کی محبت سے عبارت ہے۔ اللہ کی محبت پر مال کی محبت غالب ہے اور اللہ کے خوف پر معاش کا خوف غالب ہے۔ یہی وجہ ہے مادیت پرستی کے اس دور میں انسان آخرت سے غافل ہوتا جارہا ہے اور دنیا کی جاہ وحشمت کی تلاش میں بڑے سے بڑا گناہ کرنے سے بھی نہیں ڈرتا۔ جس سے نہ صرف انسان کی عاقبت برباد ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ دنیا بھی تباہی وبربادی اور فسادِ نسل وحرث کا شکار ہے۔

حب رسول میں کمی

حضورِ کا فرمان ہے:

((من أطاعنی فقدأطاع اللّٰه))[۹]

''جس نے میری اطاعت کی تو سمجھو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[۱۰]

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔''

۸۔ سید جلال الدین عمری، عورت اور اسلام، ص ۳۴

۹۔ الصحیح المسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فی غیرمعصیة وتحریمها فی المعصیة، (ح ٤٧٤٧)

۱۰۔ الاحزاب ۳۳:۲۱

حضور ہمارے پاس ایک ایسا اسوہ چھوڑ گئے ہیں جس نے دنیا کو مضبوط خاندانی نظام کا تحفہ دیا۔لیکن آج کی دنیا اسوہ رسولؐ کو چھوڑ کر سوشلزم، کیمونزم، کیپٹلزم اور خاندان کے ادارے کو تباہ کرنے والے دیگر نظاموں میں پھنس کر رہ گئی ہے۔اور مسلمان بھی اپنے آقا ومولا کے اسوہ کو چھوڑ کر آج مغرب کی اندھا دھند تقلید میں لگے ہوئے ہیں۔حالانکہ ہر شعبے میں ان کے پاس دنیا کا بہترین نظام موجود ہے۔اور زندگی کے ہر مرحلے پر نبی اکرم کی سیرت ایک بہترین مثال کی صورت میں ان کے پاس ہے۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر قرآن تو اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ نبی اکرم کے ہر فیصلے کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔

﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَاشَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَایَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾[۱۱]

''پس اے محمد!تمہارے رب کی قسم یہ کبھی بھی مومن نہیں ہوسکتے، جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو یہ اپنا حکم نہ بنالیں اور پھر جو کچھ بھی آپ فیصلہ کردیں،اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ اسے پورا پورا تسلیم کرلیں۔''

۲- معاشرت

آج کے اس معاشرے میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی مکمل طور پر نفی ہو رہی ہے۔ امت مسلمہ میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جوکہ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کو بھول چکے ہیں اور مسلسل ان احکامات کی خلاف ورزی کرتے آ رہے ہیں اور ان کے دلوں سے رسول کی محبت میں بھی کمی واقع ہوچکی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کا معاشرہ افراط وتفریط کا شکار ہو چکا ہے۔ اس افراط وتفریط کا اصل نشانہ خاندان بنا ہے جوکہ شریعت محمدی کے بہت سے احکامات کو بھلا کر اپنی حدوں سے تجاوز کر چکا ہے۔

نکاح سے بے نیازی

نکاح حفظ نسب کا بنیادی ذریعہ ہے جوکہ مقاصد شریعت میں شامل ہے۔شریعت کی بنیاد پانچ مقاصد پر ہے۔ حفظ دین، حفظ جان، حفظ مال، حفظ عزت وآبرو اور حفظ نسب۔☆ خاندان کے استحکام اور اس کی توسیع سے معاشرتی زندگی وجود میں آتی ہے۔ مرد وعورت کا نکاح جوکہ جسمانی تعلق کا تقاضا کرتا ہے اس کی بنیاد پر خاندان پروان چڑھتا ہے۔ یہ مرد وعورت کا ایک ایسا تعلق ہے جسے معاشرہ اور اس کا ہر فرد جانتا اور قبول کرتا ہے۔ گویا نکاح ہی خاندان کی اصل بنیاد ہے اور اسلام کے خاندان میں نکاح کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ جَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا﴾[۱۲]

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس کے

۱۱۔ الاحزاب۳۳:۲۱ ☆۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الموافقات،للشاطبی، ج۲،ص۲۰

۱۲۔ النساء۴:۶۵

پاس سکون حاصل کرے۔''

مرد وعورت کے اس تعلق کو فطرت کا تقاضا اور نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ بنایا ہے اور اسے قرآن مجید ایک مقدس معاہدے سے تعبیر کرتا ہے اسی کو اصطلاح میں 'نکاح' کہتے ہیں۔ رشتہ ازدواج میں ایک دوسرے سے جڑ جانے والے مرد و عورت کے لیے زوجین کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اور اسلام میں زوجین کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ مگر موجودہ تہذیب نکاح کے اس بنیادی رشتے سے عاری ہوتی جا رہی ہے۔ اور ذمہ داریوں سے فرار کے لیے شادی اور نکاح سے گریز کی راہ اپنائی جارہی ہے۔

قوانین نکاح وطلاق کی پامالی

نکاح کے ذریعے عورت اور مرد چند دن کے عیش یا تفریح کے لیے نہیں ملتے ہیں بلکہ وہ زندگی بھر کی رفاقت کا عہد باندھتے ہیں۔ اس عہد کو قرآن میں 'میثاق غلیظ' تک سے تعبیر کیا گیا ہے (النساء ۶:۱۲) جو شخص سنجیدگی سے یہ عہد کرے وہ اسے آسانی سے توڑنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ یہ مذاق وہی کر سکتا ہے جو اس کی اہمیت کو نہ محسوس کرتا ہو اور بے شعوری کے عالم میں اتنا بڑا عہد کر بیٹھا ہو۔ رسولؐ نے نکاح اور طلاق کے معاملے میں مذاق کو ناروا قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس سنجیدگی کے منافی ہے جو اس سلسلے میں ہونی چاہیے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں مذاق بھی سنجیدگی ہی سمجھا جائے گا وہ نکاح، طلاق اور اس سے رجوع ہیں۔

امام خطابیؒ کہتے ہیں:

> ''اس پر علماء کا عام اتفاق ہے کہ اگر کوئی عاقل و بالغ صراحت کے ساتھ طلاق دے تو طلاق ہوجائے گی۔ اسے وہ مذاق قرار دے کر کالعدم کرنا چاہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ بعض علماء نے اس حرکت کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کے ہم معنی کہا ہے اس لیے کہ اسے جائز کر دیا جائے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ ایک شخص نکاح کرنے، طلاق دینے اور اسی طرح غلام کو آزاد کرنے کے بعد یہ کہہ کر اپنے اقدام کو واپس لے سکتا ہے کہ وہ مذاق کر رہا تھا۔ اس سے احکام الٰہی پر عمل ہی ختم ہوجائے گا، اس لیے حدیث میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں زبان سے کسی فیصلے کے اظہار کے بعد ان پر عمل درآمد لازم آجائے گا۔[۱۳]

اسلام نے وقت ضرورت طلاق کی اجازت ضروردی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ کوئی مستحسن فعل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک سخت ناپسندیدہ اقدام ہے۔ اس لیے ناگزیر ضرورت اور انتہائی مجبوری میں ہی یہ اقدام ہونا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ((أبغض الحلال الى الله عزوجل الطلاق)).[۱۴]
>
> ''اللہ عزوجل کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔''

حضرت محارب بن دثاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

۱۳۔ الاعراف ۷:۱۸۹ ۔۱۴ معالم السنن ۳/۲۴۳

((ماأحل الله شيئا أبغض لله من الطلاق.))۱۵

''اللہ نے کوئی ایسی چیز حلال نہیں کی جو طلاق سے زیادہ اسے ناپسند ہو۔

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت معاذ سے مروی ہے:

''اے معاذ اللہ نے سطح زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو غلام آزاد کرنے سے زیادہ اسے پسند ہو۔

اس طرح اس نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو طلاق سے زیادہ اسے مبغوض ہو۔۱۶

ایک طرف اسلام نے مرد کے ذہن میں یہ بات بٹھائی ہے کہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے دوسری طرف عورت کو ہدایت کی ہے کہ بلاوجہ مرد سے طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ حضرت ثوبانؓ نے فرمایا ''جو عورت بغیر کسی مجبوری کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے''۔۱۷

خاندانی زندگی میں آئے دن ایسے اختلافات رونما ہوتے رہتے ہیں جن سے ازدواجی زندگی کے حسن میں خلل پڑ جاتا ہے مگر اسلام ان کو بحسن وخوبی رفع کرنے کی ہدایات دیتا ہے اور یہی حکم دیتا ہے کہ میاں بیوی کو صلح وصفائی سے رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کے قصوروں سے درگزر کا معاملہ اختیار کرنا چاہیے مگر تمام کوششوں کو باوجود بھی اگر مفاہمت نہ ہو سکے تو ایک دوسرے سے عزت ووقار کے ساتھ علیحدہ ہو جائیں اور طلاق کا جو احسن طریقہ اسلام نے سکھایا ہے اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ مگر آج مغربی اور ہندوانہ معاشرے کے اثرات کے سبب شادی بھی عجلت میں اور طلاق بھی بات بات پر ہو جاتی ہے۔ معمولی اختلافات کو بھی ہوا دے دی جاتی ہے اور قرآن وسنت کے واضح احکامات سے روگردانی کر کے خاندان کی محفوظ پناہ گاہ کو ختم کرنے کی بھرپور کارروائیاں جاری ہیں۔

مہر کی نوعیت اور اس کے احکام سے روگردانی

نکاح کے وقت مرد مہر کے نام پر جو رقم اپنی بیوی کے حوالے کرتا ہے اس کا تعلق ایک خاص پہلو سے ہے کہ گھر کے داخلی امور کی ذمہ داری بنیادی طور پر عورت پر ڈالی گئی ہے اور گھر کے خارجی امور اور مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے اوپر ہے۔ اسلام کے مطابق چونکہ مرد اصولی طور پر عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہے، اس لیے جب وہ ایک عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول کرتا ہے کہ وہ عورت کے تمام ضروری اخراجات کی کفالت کرے گا۔ مہر اسی کی ایک علامت ہے۔ مرد اپنی بیوی کو مہر کے نام پر ایک علامتی رقم ادا کر کے عمل کی زبان میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی مالیاتی کفالت کی ذمہ داری لے رہا ہے۔ مہر کی اصل حیثیت یہی ہے۔ نکاح کے بعد عورت کچھ عرصے تک نئے گھرانے سے ضروریات کے لیے رقم نہیں مانگ سکتی اس لیے شریعت نے مہر کی صورت میں کچھ رقم خرچے کے ذمہ دار (شوہر) سے لے کر اس کے ہاتھ میں تھما دی تا کہ بے تکلفی کا ماحول پیدا ہونے تک ضروریات کے لیے

۱۵۔ السنن لأبی داؤد كتاب الطلاق باب فی كراهية الطلاق ،ابن ماجه ابواب الطلاق، ۲۹۶/۱، ۱۴۵

۱۶۔ السنن لأبی داؤد كتاب الطلاق باب فی كراهية الطلاق ، ۲۹۶/۱،ابن ماجه ابواب الطلاق ص۔۱۴۵

۱۷۔ دارقطنی مع التعليق المغنی ، كتاب الطلاق ،ص ۴۳۹

کچھ رقم اس کے پاس ہو۔[۱۸]

مہر کے ذریعہ عورت خریدی نہیں جاتی

بعض اوقات مہر کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے کہ گویا مرد مال کے ذریعہ عورت کو خریدتا ہے۔ یہ مہر کی نوعیت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت خرید وفروخت کا سامان نہیں بلکہ اس کی ایک الگ جداگانہ اور مستقل حیثیت ہے۔ وہ ماں باپ یا کسی اور کی ملکیت نہیں ہوتی کہ ان سے اسے خریدا جائے اگر وہ ان کی ملکیت ہوتی اور وہ مہر لے کر وہ اسے فروخت کرتے تو مہر کی رقم انہیں ملتی۔ جبکہ ازروئے شریعت عورت خود مہر کی مالک ہوتی ہے پھر یہ کہ اگر شوہر مہر کی وجہ سے اسے خریدتا تو وہ شوہر کی ملکیت ہوتی حالانکہ نکاح کے ذریعے شوہر کو عورت پر مالکانہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ شادی کے بعد بھی اس کی انفرادیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔[۱۹]

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ سورۃ النساء میں تفصیل سے ان کے ذکر کے بعد فرمایا:

﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾[۲۰]

ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعہ سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کردیا گیا ہے، بشرطیکہ تم قید نکاح میں بند ہونا چاہتے ہو، نہ کہ گناہ کرنے والے۔

پہلے مرد سے مہر کا مطالبہ کیا جائے گا اور بڑی رقم کی ادائیگی میں اسے پریشانی اور مسائل کا سامنا ہوگا۔ اب آپ خود سوچیے جس نیک کام کا آغاز اس قسم کی بلیک میلنگ کے نقطہ نظر کے ساتھ کیا جائے اس طرح دونوں کے دلوں میں کیا کبھی خلوص اور محبت پیدا ہونے کا امکان ہے؟ اور کیا کبھی ان کی زندگی میں برکت پیدا ہوگی؟ خاندان کے استحکام کے لیے عائلی زندگی سے متعلق قرآنی احکامات پر عمل درآمد سے ہی معاشرے مستحکم اور پائیدار ہوسکیں گے۔

طلاق کے بارے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات:

اخبارات میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات جس انداز میں آئیں اور اس پر بحث شروع کی گئی اس سے بظاہر تو یہ نظر آرہا ہے کہ حدود آرڈیننس پر جس طرح بحث شروع کی گئی تھی اور عورت کے تحفظ کے نام پر معاشرے میں جس قسم کی گفتگو کو میڈیا کے ذریعے عام کیا گیا جس کا نہ ہمارے دین سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہماری معاشرتی اور ثقافتی روایات میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے لیکن آج ان خواتین وحضرات سے جو ان قوانین کو ختم کرنے میں عورت کا تحفظ سمجھتے تھے کوئی یہ سوال کرے کہ آج عورت کتنی محفوظ ہوگئی ہے اور آج جب مظلوم عورت عدالتوں اور وکیلوں اور تھانوں کے چکر میں در بدر پھرتی ہے تو یہ نیا قانون اس کے لیے کتنی مشکلات کھڑی کرتا ہے اور کسی انصاف پسند وکیل یا پولیس والے سے اس کی تفصیلات پوچھ لیں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح حالیہ سفارشات بھی (جیسے کہی وہ اخبارات میں Quote ہوئی ہیں) اگر واقعی اسی طرح ہیں تو ان میں

۱۸۔ الجامع للترمذی ،باب ماجاء فی المختلعات ۲۲۶/۱،باب الخلع ،۳۰۳/۱،ابو دائود ابن ماجه ،دارمی۔

۱۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ڈاکٹر وهبه الزحیلی ،الفقه الاسلامی وأدلته ۲۵۱/۷،دارالفکر ،دمشق،ط:۲،۱۹۸۵

۲۰۔ النساء ۲٤:٤

بہت سی غلطیاں ہیں جن سے عورت کو بجائے تحفظ اور آسانی کے کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ علماء اور قانون دانوں نے سب سے پہلے اس کونسل کی ہیئت پر بھی اعتراض کیا ہے اور ہم اس وقت قومی اسمبلی کے ایوان میں موجود تھے جب پرویز مشرف نے اپنی روشن خیال کونسل کو تشکیل دینے کا عزم کیا تھا اور بقول اس وقت کے مذہبی امور کے وزیر محترم اعجاز الحق کے کہ موجودہ چیئرمین نے بڑی معذرت کی تھی کہ میں اس منصب کے اہل نہیں ہوں گے مگر پرویز مشرف صاحب نے زبردستی ان کو اس کونسل کی ذمہ داری دی تھی۔ اور ۲۰ ممبران میں سے صرف ۸ ممبران موجود ہیں اور ان کے لیے دستور میں جو تقاضے موجود ہیں یہ کونسل ان تقاضوں کو ابھی پورا نہیں کر رہی۔ دوسرے اس کونسل کا یہ مینڈیٹ ہی نہیں ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے نص صریح کے مقابل کوئی قانون تجویز کر سکے ان کا مینڈیٹ صرف یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں سفارشات ترتیب دے سکیں۔

ہم پانچ سال تک ایوان میں یہ تقاضا کرتے رہے کہ جن سفارشات کو اسلامی نظریاتی کونسل کے مختلف مکاتب فکر کے جید ترین علماء نے مرتب کر کے تیار کیا ہے۔ ان کو ایوان میں زیر بحث لایا جائے مگر نیت صحیح ہو تو عمل درآمد ممکن تب ہی ہوتا ہے۔ ان اصل سفارشات کو ایوان میں لانے کی بجائے حدود وقوانین اور اب ان سفارشات کو اصل مقام پر زیر بحث لانے کی بجائے اخبارات پر ہر کوئی کس و ناکس اور میری طرح ناقص علم رکھنے والے گفتگو کریں گے اور بجائے ہم اپنے خاندان کے ادارے کو تحفظ دے سکیں، روشن خیالی اور مغرب کے لیے قابل قبول بننے کے چکر میں اپنی تہذیب کے آخری مستحکم مورچے یعنی خاندان کے ادارے کو بھی غیر مستحکم بنا دیں گے۔

☆ عورت کے طلاق کے مطالبے پر شوہر ۹۰ دن کے اندر طلاق دینے کا پابند ہوگا اور یہ طلائق بائن ہوگی یعنی مرد کو رجوع کا حق بھی نہیں رہے گا۔ اس سفارش پر سب سے زیادہ اعتراض علماء نے بہت دلائل کے ساتھ کیا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۶ سے ۲۳۷ تک اور سورۃ الطلاق میں بہت تفصیل کے ساتھ طلاق کا اسلامی قانون بیان کیا گیا ہے۔

☆ طلاق کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر ایک فورم میں راقمہ نے اپنی یہ سفارشات پیش کیں جسے تمام اخبارات نے شائع کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح طور پر قرآن کریم میں **بیدہ عقدۃ النکاح** کا لفظ استعمال کر کے نکاح وطلاق کے حق کو مرد کو عطا کیا ہے اور چونکہ یہ حق کے ساتھ ساتھ ایک بڑی ذمہ داری بھی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے۔ اسی مرد کو و عورت کی نفسیات کا سب سے زیادہ علم ہے۔ اسی لیے اس نے مرد کو قوام، منتظم اور ذمہ دار بنایا اور عورت کو اس ذمہ داری کے بوجھ سے مستثنیٰ کر دیا۔

ماہرین نفسیات کے مطابق عورت فطرتاً جذباتی اور جلد بازی میں فیصلہ کرنے والی ہوتی ہے اور کچھ عورتیں مردوں سے زیادہ فہم وفراست والی بھی ہوتی ہیں مگر قرآن کریم عمومی رویوں کے مطابق اصول وضع کرتا ہے اور اس طلاق کے حق کو نکاح کے ساتھ ہی عورت کو تفویض کرنے سے خاندانی نظام کے ابتداء میں ہی شکوک وشبہات کی دراڑ پیدا ہونے کا اندیشہ

ہے۔ نیز مرد اور عورت دونوں کے پاس اس حق کے آ جانے سے اس کے غلط استعمال کے امکانات مزید بڑھنے کا اندیشہ بھی موجود ہے۔

۱۔ سورۃ الطلاق میں طلاق کا واضح اور احسن طریقہ بیان کیا گیا ہے اور اسی کو معاشرے میں رائج کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ حلال کاموں میں سب سے زیادہ نا پسندیدہ کام ہے اور اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی رہے اور زوجین میں مصالحت کے امکانات کو بڑھایا جاتا رہے اور معاشرے میں علماء اور میڈیا کا فرض ہے کہ خاندان کے استحکام اور مصالحتی کردار کو پروان چڑھانے کی کوششیں زیادہ تیز کی جائیں نہ کی طلاق کے معاملے کو غیر اسلامی اور مغربی تہذیب کے لیے قابل قبول بنانے کے لیے سفارشات مہیا کی جائیں۔ مغرب کی عورت ان حقوق کے حصول کے بعد مزید تنہا اور در بدر ہوگئی ہے۔ اس لیے مسلمان عورتوں کو ان حقوق سے محفوظ ہی رکھا جائے جس میں وہ اپنی محبت اور حفاظت کے حصاروں سے ہی محروم ہوجاتی ہے۔

اس سفارش کے ذریعے خلع کے اسلامی قانون کو بھی مسخ کیا گیا ہے اس لیے ہر مکتبہ فکر کے علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے موجودہ چیئرمین کا فرض ہے کہ وہ قرآن وسنت کے نص صریح کے مقابل اپنے اجتہاد کو واپس لیں اور اگر عورت کا تحفظ مقصود ہے تو تمام مکاتب فکر کے علماء اور قانون دانوں کی مشاورت بلا کر اس پر غور وخوض کے بعد کوئی سفارش طے کریں۔

چند روشن خیال لوگوں کو خوشنودی اور مغرب کے لیے قابل قبول بننے کے شوق میں قرآن کے واضح احکام کو پس پشت نہ ڈالیں۔ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں کے مصداق نہ بنیں۔

۲۔ طلاق کی رجسٹریشن ضرور ہونی چاہیے اور نکاح نامے کے طرز پر طلاق نامہ بھی ہونا چاہیے۔ اس سفارش کی بھی کوئی شکل ضرور طے ہو مگر ۱۴۰۰ سال سے جو طلاق کا طریقہ مروج رہا ہے یعنی زبانی طلاق کو بھی معتبر سمجھنا چاہیے۔

۳۔ رویت ہلال کے لیے بھی کوئی پالیسی ضرور وضع ہونی چاہیے۔ اس لیے بھی علماء اور ماہرین فلکیات کی کوئی کمیٹی بیٹھے تاکہ اس جدید دور میں مسلمانوں کی جگ ہنسائی نہ ہو اور مسلمانوں کی مرکزیت مجروح نہ ہو۔ یہ بہت تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے کہ یوم عرفہ کو پوری دنیا کے ناظرین ٹی وی پر دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ دعا میں شریک ہو جاتے ہیں اور ہم بالعموم اگلے دن اور کبھی کبھی دو دون بعد یوم عرفہ مناتے ہیں۔ اس لیے اس سفارش پر ضرور علماء کی مشاورت سے فیصلہ کیا جائے۔

۴۔ محرم کے بغیر حج پر جانے کی اجازت سفارش بھی احادیث سے ثابت شدہ احکام کی خلاف ورزی ہے۔ اگر ہم دوسرے عام سفر کے لیے محرم کا قانون نہیں بنا سکے تو جس روحانی سفر کے لیے ایک قانون بنا ہوا ہے اسے کیوں ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ نادار اقرباء کی کفالت، دہشت گردی کے خلاف مہم اور شریعت کے نفاذ کے اصولوں کی تفصیلات ہمیں مل نہ سکیں۔ اس لیے اس پر تبصرہ کسی نے بھی ابھی تک نہیں کیا۔[۲۱]

۲۱۔ سمیحہ راحیل قاضی، طلاق کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات ۲۰۰۸ء پر اعتراضات ان کو روزنامہ جنگ، نوائے وقت، جسارت، خبریں اور پاکستان نے بھی شائع کیا۔

اہل وعیال کی اصلاح سے غفلت

خاندان کے معاشی ومادی حقوق بھی ہیں اور دینی واخلاقی حقوق بھی۔ جہاں دینی ذمہ داریوں کا ادا کرنا ضروری وہاں اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی لازمی ہے۔ اہل وعیال میں بیوی بچوں کے ہی نہیں پورے خاندان کے حقوق ہیں۔ ماں باپ، بھائی بہن اور دورنزدیک کے رشتہ دارسب اپنے حقوق رکھتے ہیں۔ ان حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اسلام میں نہ صرف اہل وعیال کے مادی حقوق ادا کرنے پر زور دیا گیا ہے بلکہ انسان کو ان کی اصلاح کی بھی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ O وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ O وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ O الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ O وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ O اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ۲۲

''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے اور جو لوگ ایمان لا کر آپ کی اتباع کررہے ہیں ان کے لیے اپنے بازو جھکا دیجیے۔ جن کو آپ ڈرا رہے ہیں اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ تم جو کچھ کررہے ہو۔ میں اس سے بے زار ہوں۔ اس ذات پر بھروسہ کیجیے جو زبردست اور رحم فرمانے والا ہے۔ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ (نماز تہجد کے لیے) کھڑے ہوتے ہیں اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا ہے کہ خاندان کے معاشی و مادی حقوق ہونے کے ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی حقوق بھی ہیں۔ جہاں مادی حقوق کی ادائیگی ضروری ہے وہاں دینی حقوق کو پورا کرنا بھی لازم ہے۔ اسلام جب بیوی اور بچوں کے حقوق کی بات کرتا ہے تو اس پر بھی زور دیتا ان کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ ۲۳

''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن، انسان اور پتھر ہوں گے۔''

اسلام نے نہ صرف میاں بیوی اور بچوں کے باہمی حقوق متعین کیے ہیں بلکہ اسلام ماں باپ، بھائی بہن اور دور ونزدیک کے رشتہ داروں کے حقوق کی بات بھی کرتا ہے۔ جہاں ان تمام رشتوں کے حوالے سے حقوق متعین ہوتے ہیں وہاں فرد پر یہ حق بھی عائد ہوتا ہے کہ اپنے اہل خانہ کو دین کی دعوت دے اور اس کی اتباع کی نصیحت کرے۔

اسلام وہ واحد دین ہے جس میں اہل وعیال کے حقوق متعین کیے گئے ہیں۔

عائشہ لیمو مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں کہتی ہیں:

''مغربی ممالک میں رہنے والا ہر ایسا شخص جسے کسی مسلم معاشرے کے ساتھ قریبی تعلق قائم رکھنے کا موقع ملا ہو وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسلمانوں میں والدین کے ساتھ کتنی محبت و احترام کا

۲۲۔ الشعراء ۲۶:۲۱۴-۲۲۰ ۲۳۔ التحریم ۶۶:۶

سلوک کیا جاسکتا ہے۔ بزرگوں کی عزت کی جاتی ہے۔ بزرگ خواہ عزیز رشتہ دار ہوں یا خاندان کے باہر کے لوگ، مسلم ہوں یا غیر مسلم، مردہوں یا عورت سب کے ساتھ دلی عزت و احترام کا سلوک روا رکھنا مسلمانوں کے اخلاق کی ایک نمایاں صفت ہے۔''[۲۴]

مگر موجودہ زمانے کی نفسانفسی اور معاش کی فکر نے خاندانی نظام کی اصلاح کی بنیادی ذمہ داری سے بری طرح سے اعراض برتا جا رہا ہے۔ ان کے بدن کو ڈھانپنے اور ان کے جسم کو غذا فراہم کرنے کے علاوہ ان کی روح کو بھوکا رکھ کر مارا جارہا ہے۔

تربیت اولاد سے غفلت

اولاد اس کائنات کی سب سے عظیم نعمت ہے اور نسل انسانی کے تسلسل اور بقاء کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مکمل قدرت رکھتا ہے وہ جسے چاہے اولاد عطا فرمادے

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ. اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ [۲۵]

''اللہ زمین و آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکی دیتا ہے اور جسے چاہتا لڑکے لڑکیاں ملاجلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے۔''

اولاد اللہ تعالیٰ کا ایک حسین تحفہ ہے اور تحفہ جس قدر بڑا ہو، جتنی بڑی ہستی کی طرف سے ہو، اتنی ہی اس کی قدر کی جاتی ہے۔ رب کائنات کے عطا کردہ اس عظیم تحفے کی ایسی قدردانی ضروری ہے جو اس کے شایان شان ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو جنت کے پھول قرار دیا۔ اس تشبیہہ کا مقصد محض بچوں کی نزاکت ولطافت کا اظہار نہیں بلکہ والدین کے لیے ہدایت بھی ہے کہ بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم وتربیت کو معمولی کام نہ سمجھیں۔ رب کریم نے ایک بڑی قیمتی امانت ان کے سپرد کی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی معمولی سی کوتاہی سے یہ خوبصورت پھول مرجھا جائیں۔ ان کی تربیت میں یہ خیال رہے کہ ہمیں نہ صرف ان کو جنت ارضی میں سربلندی کے لیے تیار کرنا ہے بلکہ ان کے اخلاق و کردار کو اس طرح آراستہ کرنا ہے کہ وہ جنت حقیقی کے حقدار قرار پائیں۔ آج جنت کے ان پھولوں کی آبیاری سے غفلت برتی جا رہی ہے اور جنت ارضی، جہنم میں اس لیے ڈھل رہی ہے۔[۲۷]

مفتی محمد شفیع سورۃ الانعام کی آیت نمبر 151 کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اولاد کو صحیح تعلیم وتربیت نہ دینا جس کے نتیجے میں وہ خدا اور اس کے رسولؐ اور آخرت کی فکر سے غافل

۲۴۔ یورپ کی اسلامی کونسل اور شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کے زیر اہتمام لندن میں اپریل ۱۹۷۶ء میں ہونے والی کانفرنس بعنوان ''اسلام اور ہمارے زمانے کا چیلنج'' میں یہ الفاظ یورپ کی ایک ممتاز اہل علم عائشہ لیمو نے ایک خصوصی نشست ۵تا۱۸اپریل ۱۹۷۶ء میں کہے۔ ترجمہ عبدالغفار احمد

۲۶۔ الشوریٰ ۴۲:۴۹،۵۰

۲۷۔ ام کلثوم ڈاکٹر، بچے کی تربیت، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں، ص:۹

رہے۔ بداخلاقیوں اور بے حیائیوں میں گرفتار رہے، یہ بھی قتل اولاد سے کم نہیں۔ قرآن میں اسے مردہ قرار دیا گیا ہے..... جو لوگ اپنی اولاد کے اعمال و اخلاق کے درست کرنے پر توجہ نہیں دیتے یا ایسی غلط تعلیمات دلاتے ہیں جس کے نتیجے میں اسلامی اخلاق تباہ ہو، وہ بھی ایک طرح سے قتل اولاد کے مجرم ہیں۔ ظاہری قتل تو صرف دنیا کی چند روزہ زندگی کو تباہ کرتا ہے لیکن یہ قتل انسان کی اخروی و دائمی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔''[۲۸]

بچے کی شخصیت کی تعمیر:

اسلام کا جامع فہم، ایمان اور یقین کی کیفیت، قول وفعل میں یگانگت، فیصلوں میں دین کو بطور بنیاد رکھنا، یہ وہ صفات ہیں جو والدین کو چاہیے کہ بچوں میں پیدا کریں، جائزہ لیجیے کہ آیا اسے اسلام کا جامع فہم حاصل ہوا یا نہیں۔ اللہ کے بارے میں ایمان اور یقین کی کیفیت کیسی ہے۔ نماز اللہ کے لیے پڑھتا ہے یا اس وجہ سے کہ آج والد صاحب غصے میں ہیں، کہیں جھوٹ اور دھوکے بازی تو نہیں کرتا۔ آیا فیصلے دین کی بنیاد پر کر رہا ہے یا سماجی دباؤ میں۔ آیا اس کا دل ان باتوں سے مطمئن ہے یا نہیں۔

والدین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ بچوں میں بھی یہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ اللہ سے تعلق کیسا ہے؟ فرائض کی حد تک سنت اور نوافل کی حد تک کاموں میں خلوص کتنا ہے۔ کڑوی بات سن کر صبر کرتے ہیں یا بھڑک کر اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں۔ حکمت عملی میں استقامت کس حد تک ہے۔ وقتی فیصلے ہو رہے ہیں یا مستقل مزاجی ہے۔ بات کھٹاک سے منہ پر دے مارتے ہیں یا حکمت سے کام لیتے ہیں۔ فیصلہ کرنے میں آخرت اثر انداز ہوتی ہے یا دنیاداری کے معاملات۔ کیا لین دین میں دھوکا دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ قرآن کے درس بھی چل رہے ہیں۔ سیرت و کردار کے یہ سب پہلو دراصل ہماری شخصیت کے ساتھ ساتھ نیت کی بھی غمازی کرتے ہیں۔ انہی سے سیرت نکھر کر سامنے آتی ہے۔

پروفیسر خورشید احمد صاحب لکھتے ہیں:

''اولاد ہماری زندگی کی شگفتگی اور ہمارے لیے روشن مستقبل کی نوید ہے۔ اس کی تربیت سے غفلت زندگی اور روشن مستقبل کو اندھیروں میں دھکیل دینے کے مترادف ہے۔ ہمیں اس مادی دور میں اپنے بنیادی فریضے سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔''[۲۹]

خواتین کے گھروں سے عدم توجہی اور معاشی میدان میں سرگرمیوں کی وجہ سے گھریلو زندگی کے ساتھ ساتھ اولاد کی تربیت بھی متاثر ہو رہی ہے۔ سوشل اور اکنامکس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ایک شائع کردہ رپورٹ کے مطابق وہ بچے جن کی مائیں فل ٹائم کام کرتی ہیں وہ بچے جب سکول میں جاتے ہیں تو ان کی جذباتی نشوونما بہت سستی سے ہوتی ہے اور ان کے پڑھائی اور حساب کے ٹیسٹ میں نمبر بھی کم ہوتے ہیں۔

۲۸۔ محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ج:۳، ص۴۸۴

۲۹۔ خورشید احمد پروفیسر، ماہنامہ ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۹ء، ص ۳۸، ۳۹

اس قسم کے بچوں کا اے لیول میں جانے کا چانس 60% سے 50% تک کم ہو جاتا ہے۔ ایک مطالعہ کے تحت جان ارمش،اور مارکر فرانسسلونی (پروفیسر ایسکیس یونی ورسٹی) نے کہا کہ باپ کے کام کاج کے اوقات اس پر کم اثر انداز ہوتے ہیں۔ برطانیہ میں بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ بچے کی پہلی سالگرہ سے لے کر پانچ سال کی عمر تک ماؤں کا کام پر فل ٹائم رہنا بچوں پر برا اثر ڈالتا ہے۔

کارول سوشل ایڈیٹر گارڈین اپنی ایک تحقیق میں لکھتی ہیں:

''پہلے سال کام پر جانا بچے پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔انہوں نے کہا کہ اس قسم کے حالات ان بچوں پر کم اثر انداز ہوتے ہیں جن کی مائیں اچھی پڑھی لکھی ہوتی ہیں اور پھر اس کا اثر گھر کے اخراجات پر بھی اچھا ہوتا ہے اور شروع کے سالوں میں برے اثرات بھی کم ہوتے ہیں۔''[۳۰]

نیشنل فیملی اور پرنٹنگ انسٹی ٹیوٹ نے کہا ہے کہ حالیہ مطالعہ کے مطابق کام کرنے والی ماؤں کے اوقات بچوں کی نشوونما پر کوئی اثر نہیں ڈالتے۔ ایک ترجمان نے یہ کہا کہ یہ بحث کافی عرصے سے یونہی بلاوجہ گردش کرتی آ رہی ہے .....جس سے کام کرنے والے ماں باپ کی عزت نفس اور احساس جرم پر اثر دیکھا گیا ہے۔ بہت سارے لوگوں کا فل ٹائم یا پارٹ ٹائم کام کرنے کا رجحان بنیادی طور پر مالی وجوہات کی بناء پر ہے۔

دوسری تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ ماں باپ زیادہ تر وقت کام کے دوران اور اپنے اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا پسند کرتے ہیں۔ ہم لوگ یورپ میں دیر تک کام کرتے ہیں اور انسٹیٹیوٹ یہ چاہتے ہیں کہ اسے تبدیل کیا جائے۔

بغیر کسی شک وشبہ کے بہت ساری ایسی خواتین ہیں جو کام نہ کرنا یا پھر پارٹ کام کو ترجیح دیتی ہیں۔لیکن یہ ترجیحات ان کے لیے نہیں ہیں، ماں باپ بہت سارے ایسے نت نئے طریقے ڈھونڈتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزار سکیں۔جیسا کہ شفٹس میں کام کرنے والے ماں باپ کرتے ہیں۔[۳۱]

والدین اور رشتہ داروں کے حقوق سے غفلت

قرآن حکیم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے جس کے مفہوم میں حسن سلوک اور ان کی اطاعت و تابعداری شامل ہے۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے کی تلقین کرنے کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔فرمایا:۔

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾[۳۲]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

اور دوسرے مقام پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اس طرح تلقین فرمائی گئی۔

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ

۳۰۔ جون کارول سوشل افیئرز ایڈیٹر، گارڈین Co.UK، جمعہ، ۱۴ نومبر ۲۰۰۳ء

۳۱۔ ایضاً ۳۲۔ النساء۴:۳۶

اَوْ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ○ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾ ۳۳؎

''اور ہمارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم صرف اس کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان کو ''اُف'' بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے لیے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار تو ان دونوں پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔''

'' حقیقت یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم تمام آسمانی کتب کا حصہ ہے چنانچہ تورات و انجیل کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے تورات میں فرمایا گیا (تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور باپ سے ڈرتا ہے۔''۳۴؎ ''اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرنے لگا مارڈالا جائے گا جس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے اسی کا خون اسی پر ہے۔''۳۵؎ تو'' اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تجھے دیتا ہے دراز ہو''۔۳۶؎

اس کے برعکس والدین کی نافرمانی کرنے والے اور ان کی خدمت نہ کرنے والے شخص کو بدقسمت ترین شخص قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رغم أنفه، ثم رغم أنفه، قیل من یارسول الله، قال من ادرک ابویه عندالکبر، أحدهما او کلهما فلم یدخل الجنة))۳۷؎

''وہ شخص رسوا ہوا بے عزت ہوا لوگوں نے دریافت کیا کون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے فرمایا کہ وہ جس نے ماں باپ دونوں کو یا کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا (اور ان کی خدمت کرکے) جنت میں داخل ہونے کا موقع حاصل نہ کیا۔''

آج ہمارے گھروں میں اس حوالے سے جو صورت حال پیدا ہوتی جارہی ہے اس کے لیے ان سطور میں ہدایت و رہنمائی کا بہت سامان موجود ہے۔ ہم بعض اوقات لاپرواہی میں کبھی نادانستگی میں اور کبھی جانتے بوجھتے ایسی باتیں کرجاتے ہیں جو احترام والدین کے منافی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات ہمارے رویے ان تعلیمات کے شایان شان نہیں ہوتے۔ یہ سب باتیں ہمارے لیے لمحہ فکر یہ ہیں ہم سب کو اس حوالے سے اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہیے۔

۳۔ معیشت

اس وقت مسلمان معاشروں میں معیشت کی حالت بھی دگرگوں ہے۔ ہر جگہ سودی نظام نے اپنے خونیں پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں جو ہم سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں اور جن کی

۳۳۔ بنی اسرائیل۱۷:۲۳ ۳۴۔ احبار، ۱۹/۲۰
۳۵۔ احبار،۲۰/۱۹، خروج ۲۱/۷ ۳۶۔ خروج ۲۰/۱۲
۳۷۔ الصحیح المسلم، کتاب البروالصله والأدب، باب فضل صلة اصدقاء الاب والام، ۳۱٤/۲

بنیاد پر عالمی ساہوکاروں کو ہمارے اندر اپنے پنجوں کو مضبوط کرنے کا موقع ملتا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

اسلامی نظام کفالت سے روگردانی

کفالت سے مراد ضمانت ہے۔ یعنی کوئی شخص مطالبہ میں اپنا ذمہ کسی دوسرے شخص پر ڈال دے۔ کفالت کرنے کا ایک اور معنی مادی ضرورتیں پوری کرنا ہے۔ نظام کفالت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ معاشرے کے صاحب حیثیت لوگ اور ان کی جماعتیں اور اسلامی حکومت کے حکام، یتیموں، ناداروں، ضعیفوں، بیواؤں اور دوسرے مستحق لوگوں خاص طور پر صاحب حیثیت لوگ، مالی حیثیت سے کمزور رشتہ داروں کی مادی ضروریات پوری کریں۔ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں اور اصحاب خیر مساکین کے ساتھ تعاون کریں۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں آپس میں تعاون کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ﴾ ۳۸

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔''

محمد اسلم سلیمی لکھتے ہیں:

''کفالت باہمی پر مبنی معاشرہ وہ ہوتا ہے جس میں خیر غالب ہو، محبت عام ہو، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو اور اس کے افراد تقویٰ کی بنیاد پر نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوں۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہوں، ایک دوسرے کے کام آنے اور فائدہ پہنچانے کی نصیحت کرتے ہوں۔''۳۹

اسلام معاش کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اس کے لیے اس نے خاندان کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے اور عورت کو اس سے سبکدوش کر دیا ہے تاکہ مرد معاش کی ذمہ داری اٹھائے اور عورت گھر کا انتظام چلائے کیونکہ اگر مرد وعورت دونوں ہی معاش کی فکر میں لگ جائیں گے تو گھریلو زندگی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اس لیے خاندان کے مرد کو، چاہے وہ شوہر ہو، باپ ہو، بھائی ہو یا بیٹا، خاندان کے کفیل کی حیثیت دی ہے اور عورتوں کو گھر چلانے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس طرح مرد وعورت مل کر باہمی تعاون سے خاندان کا نظام چلائیں۔

وراثت کے قانون کا عدم نفاذ

1۔ نسبی رشتے اور ازدواجی تعلق اصل ہیں:

اسلام کا یہ قانون وراثت جن بنیادوں پر قائم ہے اب ہم ان کی تھوڑی سی وضاحت کریں گے۔ اس سے اس کی حکمت کے بعض گوشے سامنے آسکیں گے۔ وراثت کی ساری تقسیم افراد خاندان کے مابین ہوتی ہے۔ اس میں نسبی رشتوں اور نکاح کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ خاندان ایک مستقبل کی اکائی ہے جس کے افراد کو نسبی رشتہ اور خونی تعلق باہم جوڑے رکھتا ہے۔ ان کے درمیان محبت، ہمدردی اور تعاون کا فطری جذبہ موجود ہوتا ہے۔ وہ عملاً ایک دوسرے کے نفع و نقصان میں شریک

۳۸۔ المائدۃ ۵:۲ ۳۹۔ محمد اسلم سلیمی، اسلام کا نظام کفالت ص ۲۲۰

ہوتے ہیں۔ ان کی ترقی میں مدد دینے اور مشکلات میں کام آتے ہیں۔ اسی وجہ سے خاندان سے انسان کی وابستگی بڑی گہری ہوتی ہے۔ وہ اس کی فلاح و بہبود کے دوسرے بہت سے فائدوں پر مقدم رکھتا ہے۔ اس کی معاشی تگ و دو بھی بڑی حد تک اسی کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے فطری طور پر وہ خاندان کو اپنی دولت میں شریک اور اس کا جائز حقدار تصور کرتا ہے۔

میاں بیوی کے درمیان بالعموم خونی رشتہ تو نہیں ہوتا۔ لیکن ان کا تعلق اتنا قریبی ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے کاموں میں اس طرح شریک ہوتے ہیں کہ وہ خاندان ہی کے افراد شمار ہوتے ہیں۔ وراثت میں ان کے حق سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خاندان کے جن افراد کا میت سے براہ راست تعلق ہوتا ہے ان کو وراثت میں لازماً ان کا حصہ ملتا ہے اور وہ کسی حال میں سے محروم نہیں ہوتے۔ چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں اس میں حسب ذیل افراد ہوتے ہیں:

(الف)۔ میت کی اولاد اس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں)

(ب)۔ میت کے ماں باپ۔

(ج)۔ میاں اور بیوی میں سے جو بھی موجود ہے۔

ان میں سے ''اصحاب الفروض'' کو ان کے متعین حصے ملیں گے۔ باقی مال کے وراث عصبہ ہوں گے۔[۴۰]

خاندان کے ان قریبی افراد میں ہی اس نے اولاد کے حق کو والدین کے حق پر مقدم رکھا ہے۔ اس میں ان کی ضروریات اور معاشی تقاضوں کو سامنے رکھا گیا ہے اولاد اپنے والدین کی جانشین ہوتی ہے۔ وہ ان کے بعد ان کی بہت سی ذمہ داریوں کو اٹھاتی اور ان کے چھوڑے ہوئے منصوبے کو آگے بڑھاتی ہے۔ اس کے ساتھ خود اس پر نئی نئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی تکمیل کے لیے اسے نئے وسائل تلاش کرنے پڑتے ہیں اور حال کی بنیاد پر مستقبل کی تعمیر کرنی ہوتی ہے۔ اس لیے اسے دولت اوسرمایہ کی جتنی ضرورت ہوتی ہے اتنی اس کے والدین کو نہیں ہوتی ہے خود والدین بھی فطری طور پر اپنی دولت اپنی اولاد کے حوالے کرنا چاہتے ہیں اور کسی دوسرے کو ان پر ترجیح دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہاں اگر اولاد نہ ہوتو والدین کا حق مقدم ہوگا۔ مگر آج کی مادی دوڑ میں قرآن کے واضح ورثات کے احکامات کے باوجود جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق جس کا زور زیادہ چلتا ہے اسی کے قبضے میں خاندان کی ساری دولت سمٹ کر آجاتی ہے۔ خواتین تو اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی محروم رکھی جاتی ہیں وراثت کے زریں قرآنی ونبوی اصولوں کے بجائے ہندو معاشرہ کی نقالی میں زور آور اور خاندان کے بڑے بیٹے کے حصے میں سب وراثت جمع ہوجاتی ہے۔

اللہ کی رزاقیت پر ایمان میں کمی

خاندانی منصوبہ بندی کی مہم نے اللہ کی رزاقیت کے عقیدے کو کمزور کردیا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اگلی نسل کی منصوبہ بندی اس کے اپنے ہاتھ اور اختیار میں ہے جبکہ قرآن پاک اس امر کا بار بار اعلان کرتا ہے:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[۴۱]

''سن لو، اسی کا کام ہی پیدا کرنا اور حکم فرمانا ہے، بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہانوں کا۔''

۴۰۔ العنایہ علی الھدایہ علی ھامش ،فتح القدیر ۱۹۹/۳ ۴۱۔ الاعراف۷:۵۴

یعنی اللہ تعالیٰ سب کو پالنے والا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو اس خوف سے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اسے کھلائیں گے کہاں سے یا اولاد کی کثرت سے مفلسی درآئے گی۔ اللہ تعالیٰ اس نظریے کا روفرماتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق ﴾۴۲ ''اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔'' بلکہ اگر ایک قدم آگے بڑھ کر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انسانوں بلکہ روئے زمین پر چلنے پھرنے اور بسنے والے ہر جاندار کی روزی کا ذمہ لیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿ومامن دآبة فی الارض اِلاعلی اللّٰه رزقھا ﴾۴۳ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہرانسان کے رزق کا بندو بست اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور یہ خدشہ کہ کثرتِ آبادی سے وسائل کم ہوجائیں گے کم فہمی کا شاخسانہ ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کی بنیاد ہی اس بات کو بنایا گیا ہے کہ وسائل کم پڑ رہے ہیں اور آبادی بڑھ رہی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے انسان فاقہ کشی پر مجبور ہوجائے۔

خاندانی منصوبہ بندی: پس منظر، پیش نظر

مالتھس نے آبادی گھٹانے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کا فلسفہ پیش کیا اور عالمی طاقتوں نے اس کو اپنے مفادات کے لیے ایک کھیل بنادیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج وسائل ماضی کے مقابلے میں بے انتہا زیادہ اور انسانی ضروریات سے فاضل ہیں۔ مغرب اکثر اس کو سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ دوسری طرف مغرب میں شرح پیدائش میں اتنی کمی واقع ہوچکی ہے کہ اب ان کو اپنی نسلوں کی بقا کا خطرہ نظر آنے لگا ہے۔

حقائق اس نظریے کو نہ صرف غلط ثابت کرتے ہیں بلکہ بحیثیت مجموعی انسانی معاشرے کی تباہی کا باعث ٹھہراتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی پیدائش سے خاندان مضبوط ومستحکم ہوتے ہیں اور نسلوں کی بقاء اور تسلسل بھی قائم رہتا ہے۔ تحدید آبادی کے نظریے کو فروغ دینے کے ساتھ یورپ میں صنعتی انقلاب بھی وقوع پذیر ہوگیا جس نے مرد کے ساتھ عورت کو بھی صنعت کا پہیہ چلانے کی دوڑ میں تھکادیا۔ اس تھکادینے والی دوڑ کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش ایک مشکل امر تھا۔ اس لیے عورت نے اپنی بنیادی ذمہ داری سے فرار حاصل کیا اسی دوران مردوزن کی مساوات اور خواتین کی تحریک نسواں نے بھی جڑ پکڑ لی اور آزادانہ اختلاط کے مذموم نتائج سے بچنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے عام کیے گئے۔ مادہ پرستی کی اس تہذیب میں ہماری معاشرتی اقدار و پیمانے بدلنے لگے، مستحکم خاندان اور بچوں کی خواہش ماند پڑنے لگی اور انسانیت سفلی جذبات کی تسکین میں پھنس کر رہ گئی۔

انسانی تمدن و معاشرت کی بنیاد خاندان ہے جس کا آغاز ایک مرد وعورت کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے ہوتا ہے۔ بچوں کی پیدائش سے نہ صرف یہ رشتہ مضبوط ہوتا ہے بلکہ نسلی بقاء کے ساتھ ساتھ خاندان کو استحکام بھی ملتا ہے۔ انسان کی فطری خواہش بھی اپنی نسل کی بقاء اور تسلسل ہے۔ اس فطری خواہش پر زداس وقت پڑی جب وسائل کی کمی کے خدشے کے پیش نظر آبادی کم کرنے کے نظریے کو قصداً فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔

اسی دوران یورپ میں صنعتی انقلاب آنے کی وجہ سے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا رجحان بھی ملازمت کی طرف ہوگیا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش ایک مشکل امر تھا۔ نیز ترجیحاً ملازمت بھی ان خواتین کو دی جاتی جن

۴۲۔ بنی اسرائیل ۱۷:۳۱ ۴۳۔ ھود ۱۱:۶

کے بچے نہ ہوتے۔ بچوں والی خواتین کو دوران ملازمت چونکہ مختلف مراعات بھی دینا پڑتی ہیں۔ پھر کارکردگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بھی خاندانی منصوبہ بندی کوفروغ حاصل ہوا ہے۔ اسی طرح مردوزن کی مساوات اورخواتین کے حقوق کی تحریکوں نے بھی سر اٹھایا جس نے عائلی زندگی کو مزید متاثر کیا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی اور چین:

خاندانی منصوبہ بندی سے کس طرح خاندان متاثر ہورہے ہیں اور معاشرے میں بہت سے مسائل کا سبب ہے؟ اس کا ایک جائزہ چین میں 12 مئی 2008ء کو آنے والے شدید زلزلے کے بعد سامنے آیا جس میں بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی اور کم از کم 68ہزار لوگ ہلاک ہوگئے ہیں جس میں 10 ہزار سے زائد بچے بھی شامل تھے۔[۴۴]

بچوں کی اس بڑے پیمانے پر ہلاکت نے چین کے عوام کو خاندانی منصوبہ بندی کی پالیسی پر سوچنے پر مجبور کردیا ہے یہ ایک ماڈل ہے جو غور وفکر کے کئی پہلو سامنے لاتا ہے۔

چین وہ ملک ہے جو آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے۔ وسائل کی قلت، غربت اور معاشی ترقی سے متاثر ہونے کے خدشے کے پیش نظر 1979ء سے چین میں ایک بچہ ایک خاندان کی پالیسی حکومتی سطح پر اپنائی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاندان میں ایک سے زائد بچے کی اجازت نہیں۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو بڑے پیمانے پر جرمانے کیے گئے اور جبراً اسقاط کرائے گئے۔

اس پالیسی کے نتیجے میں چین اپنی آبادی میں اضافے کی شرح کو بڑی حد تک کنٹرول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس وقت چین کی شرح پیدائش ایک فی صد سالانہ سے بھی کم ہے۔

ایک عشرے کے اندر اندر ہی آبادی میں مرد وخواتین کا تناسب بگڑنے لگا۔ کام کرنے والے افراد اور بوڑھوں کی تعداد میں تفاوت پیدا ہوگیا۔ لاکھوں بوڑھوں میں بچوں کی تعداد بہت کم ہے۔ چین کی آبادی میں مردوں کا تناسب عورتوں سے زیادہ ہے۔ 2، 1 مرد اور عورت کی نسبت پائی جاتی ہے۔ خدشہ ہے کہ آئندہ چل کر چینی مرد کبھی اس قابل نہ ہوں گے کہ وہ ایک خاندان کو وجود میں لاسکیں اس لیے لڑکیوں کا تناسب مروجہ خاندانی منصوبہ بندی (ایک بچہ ایک خاندان) کی وجہ سے مزید کم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ جہاں جنسی جرائم کو فروغ دے گا وہاں خود حکومت کو بھی مختلف مسائل پر عوامی ردعمل اور احتجاج کا سامنا کرنا ہوگا۔ جو حکومت کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔[۴۵]

خاندان کا واحد بچہ ہونے کی بناء پر غیر متوازن رویے بھی سامنے آرہے ہیں۔ بچے کی پرورش وخواہشات کی تکمیل پر بے جا ناز ونعم اٹھانا، اخراجات کرنا اور چونکہ بچے کے چھوٹے بہن بھائی نہ ہوں گے اس لیے وہ دوسروں کے لیے ایثار و قربانی اور برداشت جیسے رویوں سے محروم رہے گا۔ شاید بعض رشتوں کی پہچان سے بھی وہ نا آشنا ہو۔ نتیجتاً خودغرضانہ ذہنیت کے ساتھ پلنے والے یہ بچے ایک خودغرض معاشرے کو جنم دینے کا باعث بنیں گے۔

۴۴۔ ٹائم میگزین۔۹ جون ۲۰۰۸ء

۴۵۔ امجد عباسی: خاندانی منصوبہ بندی۔ استحکام خاندان پر کاری ضرب، ماہنامہ بتول، اپریل ۲۰۰۹ء، ص ۱۳

چین میں آنے والے زلزلے کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر بچوں کی ہلاکت نے بالخصوص ان والدین کو حکومتی پالیسی کے خلاف احتجاج پر مجبور کر دیا جن کے گھر اکلوتے بچے کی ہلاکت کے بعد سونے پڑ گئے ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ انسان اپنے ماضی اور تلخ حقائق سے بھی سبق نہیں سیکھتا اور خدائی ہدایت سے بے نیاز ہو کر اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا چلا جاتا ہے اور خواہش نفس کے راستے کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

آج مغرب کا تلخ تجربہ انسان کے سامنے ہے مگر ہم ہیں کہ مغرب اور مادیت کے سراب کے پیچھے آنکھیں بند کر کے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ مغرب کی اندھی پیروی کی روش کو چھوڑتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کی غیر فطری پالیسی کو ترک کیا جائے اور مغرب کے تلخ تجربے سے سبق سیکھا جائے اور خاندان کی روایت اور قدر کو مستحکم کیا جائے۔ خدا سے بے نیاز ہو کر انسانی عقل کس طرح سے انسانیت کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کر دیتی ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے نظریے اور اس کے نتائج میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی[۴۶]

۴- دفاعِ ملک وملت اور اتحاد اتفاق

کسی بھی تہذیب کے ترقی کے لیے دو امور انتہائی اہم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس تہذیب کے خلاف ہونے والی ہر کوشش کا منہ توڑ جواب دینے کا انتظام موجود ہو اور دوسری یہ کہ اس تہذیب کے ماننے والے آپس میں باہم شیر وشکر ہوں۔ اسلام بھی اپنے پیروکاروں کو ان دونوں اسلحوں سے لیس ہونے کا حکم دیتا ہے۔ مگر اسلامی تہذیب کے دشمن مسلمانوں سے یہ دونوں ہتھیار چھیننا چاہتے ہیں۔

جہاد کو دہشت گردی کے ہم معنی قرار دینے کی مہم

لفظ جہاد کا مفہوم جدوجہد اور محنت کرنا ہے لیکن بھلائی کے میدان میں یہ دنیا بنانے کی فصل بونے کی جگہ ہے اور اس کا نتیجہ آخرت میں نکلے۔ یہاں بھلائی کے لیے جدوجہد کرنا ضروری اور یہ جدوجہد ہی اس کے لیے دنیا وآخرت میں مفید رہے گی۔

جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ[۴۷]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا گیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔''

۴۶۔ علامہ محمد اقبالؒ، بانگ درا، نظم مذہب، ص ۲۴۸ ۴۷۔ الشوریٰ ۴۲:۴۹، ۵۰

یہاں سے وہ خطبہ شروع ہوتا ہے جو غزوہ تبوک کی تیاری کے زمانہ میں نازل ہوا تھا۔ اس میں اہل ایمان کو جہاد پر اکسایا گیا۔ ان لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جو نفاق یا ضعف ایمان، یا سستی و کاہلی کی وجہ سے راہ خدا میں جان ومال کا زیاں برداشت کرنے سے جی چرا رہے تھے۔

''اس وقت ملک میں قحط سالی تھی گرمی کا موسم پورے شباب پر تھا۔ فصلیں پکنے کے قریب تھیں۔ سواریوں اور سروسامان کا انتظام سخت مشکل تھا۔ سرمایہ کی بہت کمی تھی۔ دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک کا مقابلہ درپیش تھا۔ خدا کے نبیؐ نے یہ دیکھ کر یہ دعوت حق کے لیے زندگی وموت کے فیصلہ کی گھڑی ہے۔ اس حال میں تیاری جنگ کا اعلان عام کردیا۔ پہلے غزوات میں تو حضورؐ کا قاعدہ تھا کہ آخروقت تک کسی کو نہ بتاتے تھے کہ کدھر جانا ہے اور کس سے مقابلہ کرنا ہے بلکہ مدینہ سے نکلنے کے بعد منزل مقصود کی طرف سیدھا راستہ اختیار کرنے کی بجائے پھیر کی راہ سے تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن اس موقع پر آپؐ نے یہ بات پوشیدہ بھی نہ رکھی اور صاف صاف بتا دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے''۔[۴۸]

دوسرا یہ کہ متاع حیاۃ دنیا آخرت میں کام آنے والی چیز نہیں ہے۔ یہاں تم خواہ کتنا ہی سروسامان مہیا کرلو موت کی آخری ہچکی کے ساتھ ہر چیز سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اور سرحد موت کے دوسرے جانب جو عالم ہے وہاں ان میں سے کوئی چیز بھی تمہارے ساتھ منتقل نہ ہوگی۔ وہاں اس کا کوئی حصہ اگر تم پاسکتے ہو تو صرف وہی جسے تم نے خدا کی رضا پر قربان کیا ہو۔ جس کی محبت پر تم نے دین کی محبت کو ترجیح دی ہو۔

اس آیت اور تفسیر کے مطالعے سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ اپنی خواہشات کو دین کی محبت پر غالب کردینے سے انسان آخرت کی خوبصورت زندگی سے محروم ہوجاتا ہے اور دنیا وآخرت دونوں میں ہی ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ جتنا کہ آج کے دور میں مسلمانوں نے مغرب کا لبادہ اوڑھنے کو جہاد پر ترجیح دی ہے اور روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی آڑ میں مغرب کی نام نہاد پالیسیوں کو اپنا کر دہشت گردی کے خلاف ایک جنگ کھڑی کی ہے اور حد افسوس کہ یہ جنگ اپنے ہی مسلمان مجاہدین اور جہاد کرنے والوں کے خلاف ہے۔ جہاد جیسے عظیم فریضہ سے غفلت کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ آج افرادی قوت اور مادی وسائل سے مالا مال ملت اسلامیہ غیروں کے نرغے میں ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب تک امت مسلمہ کے اندر جذبہ جہاد موجزن تھا تو یہ امت لعل و جواہر سے بھی مہنگی تھی۔ اندلس کی سرزمین ہو یا مصر، ایران اور سندھ کی سرزمین کی فتوحات یہ سب مسلمانوں کے جذبہ جہاد کی مرہون منت تھی۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خلافت کے ساتھ ہوئی۔ دیگر ادیان پر بھی ان کا غلبہ صرف جہاد اور آلات کی تیاری ہی کے ذریعے برپا ہوا۔ لہٰذا اگر جہاد کو ترک کردیں گے اور بلیوں کی طرح دموں کے پیچھے پڑجائیں گے تو ان کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور دیگر اہل مذاہب ان پر چڑھ دوڑیں گے''۔[۴۹]

۴۸۔ سید معروف شاہ شیرازی اسلام ومغرب کی موجودہ عالمی کشمکش، ص۱۲۳

۴۹۔ محمد غیاث۔ ''بیداری امت وغلبہ اسلام'' ص۱۶

مغربی پالیسیوں کے تحت جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ ایک کھلا ظلم ہے۔ موجودہ امریکی و برطانوی پالیسیاں نہ صرف یہ کہ ظالمانہ ہیں بلکہ نا قابل فہم بھی ہیں۔ اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ دہشت گرد کون ہے؟ حالات پر نظر ڈالی جائے تو اس وقت مغربی پالیسی کے دو حامی ہیں: بھارت اور اسرائیل جن کی جنگ مسلمانوں سے چھڑی ہے۔ بھارت کشمیر میں وہی مظالم کر رہا ہے اور اسرائیل فلسطین میں وہ جہاد اور جدوجہد جو افغانستان میں اور جس کے نتیجے میں مغرب اور یورپ سنٹرل ایشیا میں 40 ممالک آزاد ہوئے جہاد تھا لیکن جب اہل مغرب کا مقصد پورا ہوا تو وہ دہشت گرد بن گیا۔ مغربی لیڈروں کے دہشت گرد ہونے کی شہادت خود مغربی لیڈروں کے خلاف ہونے والے مظاہرے ہیں جو انہوں نے افغانستان اور عراق کے خلاف اقدامات کرنے کے لیے میڈیا کے ذریعے نشر کیے۔

امریکہ میں 11 ستمبر کے واقعات میں عراق کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ تھا۔ افغانستان کا قصور صرف یہ تھا کہ اس واقعہ کا الزام جس شخص پر تھا وہ خود امریکہ نے ان کا مہمان بنایا اور افغانوں کی روایات میں مہمان کے ساتھ بے وفائی نہیں کی جاتی اب یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دہشت گرد کون ہیں۔ اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ افغانستان نے یہ پیشکش کی کہ اگر اسامہ کے خلاف کوئی ثبوت ہے تو تم ہمارے سپریم کورٹ میں پیش کرو۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس دہشت گردی میں اقوام متحدہ کے تمام ممبران نے شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اس طرح مغربی دہشت گردوں کو دنیا کے انسانوں کی ایک فیصد حمایت حاصل ہوئی اور جہاد جس کا ذکر آتے ہی اسلام کے ناقدین فی الفور مسلمانوں پر مذہبی جنونی ہونے کا لیبل چسپاں کر دیتے ہیں۔ اسلامی نظریۂ حیات کا ایک لازمی جزو ہے اور اس کے لیے وہ کسی معذرت کا خواہاں نہیں کیونکہ بنیادی طور پر یہ ایک بامقصد مدافعتی جنگ ہے۔ عیسائیت کی مانند تو وہ غیر حقیقت پسندانہ اس مفروضے کا قائل نہیں ہے کہ اگر کوئی آپ کی ایک گال پر چپت رسید کر دے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو۔ وہ ایک حقیقت پسند مذہب ہے اور صاف صاف کہتا ہے کہ اگر بدی کی قوتیں تحریک اسلامی کو ملیا میٹ کرنے پر تلی بیٹھی ہوں تو بزدلوں کی طرح گھروں میں گھس بیٹھنے کی بجائے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہو اور اس غرض کے لیے مسلمانوں کو اپنے گھوڑے (سامان حرب) ہمہ وقت تیار رکھنے چاہئیں۔

جہاد اسلام کے نزدیک افضل ترین عبادت ہے اور میدان جہاد میں گزاری ہوئی ایک رات ہزار سالہ عبادت سے برتر ہے۔ اس راہ میں فتح و نصرت حاصل ہو تو غازی، جان چلی جائے تو شہید جس کا صلہ جنت ہے۔ تاہم جہاد دہشت گردی نہیں اور نہ ہی فساد ہے کیونکہ فساد کو قرآن پاک نے واضح الفاظ میں قتل سے بھی سنگین جرم قرار دیا ہے اس کا مقصد غیر مسلموں کو طاقت کے بل بوتے پر مسلمان بنانا بھی نہیں وہ **لا اکراہ فی الدین** کی تلقین کرتا ہے۔ جہاد کی کچھ حدود و قیود مقرر ہیں۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں، غیر مقارب بے گناہ شہریوں کا قتل عام، فصلوں اور پھلدار درختوں کا کاٹنا سخت ممنوع۔ صلح کا معاہدہ ہو جانے کی صورت میں اس کا احترام اور قیدیوں سے حسن سلوک بھی اس کے جنگی قوانین کا حصہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے جنگ کو بھی مشرف بہ اسلام کر دیا۔ فتح مکہ تو بلاشبہ جنگی تاریخ میں فقید المثال ہے لیکن خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے فتح بیت المقدس کے موقع پر اسلام کے جنگی قوانین کی جس طرح پاسداری کی اس کی مثال ملنا بھی محال ہے۔

اس کے برعکس سیکولرازم کے علمبرداروں کے طرز عمل کا بھی جائزہ لیجیے، ان کے ہاں کوئی جنگی قانون نہیں۔ جنگل کا

قانون ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے انسانیت کے ہر قانون کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بم گرا کر ڈیڑھ دو لاکھ سے زائد ہنستی مسکراتی شہری آبادی کو آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ادھر اب مسلم ممالک میں جو غیر مسلم اقوام کے غاصبانہ قبضے سے نجات کے لیے جہادی تحریکیں چل رہی ہیں وہاں لاکھوں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور نہتے شہریوں کا قتل عام جس سفاکانہ طور پر جاری ہے وہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر میں درج جنگی قوانین محض ردی کے کاغذ کا ٹکڑا ہیں۔ انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں، حقوق انسانی کے بلند بانگ دعوے کو بہت باندھتی ہیں لیکن ان کی خلاف ورزی پر آواز فقط اس وقت بلند کی جاتی ہے جب اس کی زد میں خود ان کی کسی ہم قوم یا ہم مذہب پر پڑتی ہو۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہوں نے بیگناہوں کے قتل عام کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی بلکہ الٹا آزادی کے متوالوں کو دہشت گرد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ سیکولرازم کو اسلامی ممالک پر مسلط کرنے سے ان کا بڑا مقصد جذبہ جہاد کو سرد کرنا ہے۔

صلح ہو یا جنگ کسی غیر قوم کے ساتھ معاملات طے کرتے وقت انسانی حقوق عدل وانصاف اور اخلاقی قدروں کی پاسداری تبھی ممکن ہے جب دلوں میں خوف خدا ہو اور آخرت میں جوابدہی کا احساس ہو، ورنہ آدم کشی اور غارت گری شیوہ بن جاتا ہے۔ جہاد ابتداء سے ہی علمائے دین کا پسندیدہ موضوع رہا ہے اور اس پر معرکۃ آلاراء تصانیف شائع ہوئی ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے صرف سترہ سال کی عمر میں الجہاد فی الاسلام لکھ کر علامہ اقبالؒ سے خراج تحسین حاصل کیا تھا اور ان کے کہنے پر لاہور منتقل ہوئے تھے۔ جہاد سے عملاً روگردانی کا رویہ نظر آ رہا ہے اور دہشت گردی کے ہم معنی کر دیا گیا ہے۔۵۰

مسلمانوں کا باہمی افتراق وانتشار

امت مسلمہ کے زوال میں مسلمانوں کے مابین اختلاف اور انتشار نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جو کہ ہر ایک تسلیم کرتا ہے کہ جو قومیں باہم متحد اور متفق ہوں وہ کبھی زوال کا شکار نہیں ہوتیں۔ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے اندر جب یہی اتحاد و اتفاق کا جذبہ کارفرما تھا، وہ ذاتی او دنیاوی مفادات کے لیے اختلافات کرنے کے بجائے اجتماعی مفادات پر نظر رکھتے تھے۔ ایک ہی امیر کی اطاعت میں ایک ہی مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے تو قیصر وکسریٰ کے شاہی محلات بھی مسلمانوں کی باہمی محبت، اخوت او راتفاق پر رشک کرتے تھے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو عزت و احترام اور عروج کے سنہرے لمحات نصیب ہوتے تھے۔

جب سے مسلمانوں کے اندر تفرقہ بازی اور افتراق و انتشار نے راہ ہموار کی ہے۔ تب سے امت مسلمہ کے زوال کے دردناک سفر کا آغاز ہوا، اور پستی و ذلت نے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مسلمانوں کو اس لعنت سے متنبہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾۵۱

۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی،، الجہاد فی الاسلام، ۵۱۔ الانفال ۸:۴۶

''اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمھاری ہوا نکل جائے گی۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں کے حشر کو بطور عبرت پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ۵۲

''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی اور واضح ہدایات کے بعد پھر اختلاف میں مبتلا ہوئے جنھوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے۔''

نبی کریمؐ فرماتے ہیں:

''اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے، انھوں نے اختلاف کیا تو وہ ہلاک ہوگئے۔''

افتراق اور انتشار بہت بڑی وباء ہے، جب بھی مسلمانوں کے اندر یہ وباء پھوٹی ہے اس وقت سے ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کے اندر فروعی اختلافات کا پایا جانا ایک فطری بات ہے۔ لیکن ان فروعی اختلافات کو اس حد تک لے جانا کہ اس سے اسلام اور کفر کی بات بنائی جائے یہ صورت حال ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی خطرناک ہے اور ملت اسلامیہ کی ہلاکت اور تباہی کی بری خبر دے رہی ہے۔

دوسری طرف امت مسلمہ کو آج علاقوں اور نسلوں کی سطح پر تقسیم کیا گیا ہے، حالانکہ نبی کریمؐ نے ابتداء سے اس بات کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے اس بات پر زور دیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اس طرح آپؐ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''امت مسلمہ کی مثال ایک جسم کی ہے، جس کے اگر ایک عضو کو تکلیف ہو تو پورا بدن بے قرار رہتا ہے۔''

دنیا کی محبت

پوری امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا سانحہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے دنیاوی عیش وعشرت کو اپنا مقصود بنایا ہے۔ مادہ پرستانہ ذہنیت نے پوری امت مسلمہ کی نوجوان نسل کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے۔ لادین اور سیکولر عناصر نے ایک منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ مختلف وسائل کا استعمال کرکے نوجوان نسل کو مادیت کی سوچ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی نظروں سے آخرت کی دائمی زندگی اوجھل ہوچکی ہے۔

امت مسلمہ کا دنیاوی لذّات اور عیش وعشرت میں مبتلاء ہونے کے بارے میں پہلے سے نبی کریمؐ نے خدشہ ظاہر کیا تھا، اور یہی اس امت کی زوال کی نشانی قرار دی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ''مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم مفلس ہوجاؤ گے میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دولت اور دنیا تم پر کشادہ ہوجائے گی جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر یہ کشادہ ہوئی تھی اور ان ہی کی طرح تمہیں مال ودولت کی طرف رغبت ہوگی اور ان کے حصول کے لیے تم ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کروگے اور یہ دنیا کی فراوانی، وسعت اور اس کی طرف بے انتہاء رغبت تمہیں تباہ کرکے رکھ دے گی جیسا کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو بربادی اور

۵۲۔ آل عمران ۳:۱۰۵

ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا تھا۔''[۵۳]

یہی صورت حال آج کل مجموعی طور پر پوری ملت اسلامیہ کی ہے۔ دنیا کی محبت نے ہم سے اصل مقصد حیات بھلا دیا ہے اور آج ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ ہم دشمن کے مقابلے کے لیے افرادی قوت اور مادی وسائل پر یقین رکھتے ہیں۔ آج ہمارے دانشور حضرات اغیار سے مقابلے کے لیے مادیت پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ قرون اولیٰ کے شاندار اور تابندہ دور میں مسلمان افرادی قوت کے ساتھ مادی وسائل میں مدمقابل حریف سے کئی گنا کمزور ہوتے تھے لیکن ایمان کی مضبوطی اور دنیا سے بے رغبتی نے میدان جنگ کے فیصلے ان کے نام کیے تھے۔

اغیار کی تقلید

اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کو بہترین امت کا شرف دیا ہے مسلمانوں کو قرآن وسنت کی صورت میں بہترین نظام حیات دیا ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے جب تک مسلمانوں نے قرآن وسنت کو دستور حیات کی حیثیت دی تھی اور قرآن مجید کو اپنے مابین فیصلہ کرنے کا حق دیا تھا وہ دن مسلمانوں کے عروج کے دن تھے۔ لیکن بدقسمتی سے آج امت مسلمہ نے اپنے اسلاف کی تاریخ کو بھلا دیا مغربی طاغوتی قوتوں نے ہمیں اتنا مرعوب کیا کہ آج ان کی اندھی تقلید میں لگے ہوئے ہیں۔ یورپ کی جہالت پر مبنی تہذیب جن کو زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں آتا تھا وہ جو ایک وحشی جانور سے بھی گئی گزری زندگی گزارتے تھے، ہمارے اسلاف نے انہیں زندگی کے گُر سکھائے آج بھی یورپی اقوام اور مغربی معازرہ فحاشی وعریانی کے لحاظ سے لامثل ہے۔ لیکن بدقسمتی سے امت مسلمہ کی اکثریت ایسے گئے گزرے معاشرے سے متاثر ہوتی گئی۔ یہی اس امت کے زوال کا سبب ہے۔ نبی کریمؐ فرماتے ہیں:

> ''تم بھی ٹھیک پہلی امتوں کے نقش قدم پر چل کر رہو گے حتیٰ کہ اگر وہ گرہ کے سوراخ میں گھسے تو تم بھی اسی میں گھس کر رہو گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلی امتوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اور کون؟ ایک روایت میں ہے کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی اس قماش کے لوگ ہوں گے۔ (معاذاللہ)''[۵۴]

آج پوری امت مسلمہ کی مجموعی صورت حال یہ ہے کہ مغرب سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس گندی تہذیب کو ہم اپنے ہاں رائج کرنا روشن خیالی اور اعتدال پسندی تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ مغربی معاشرہ جانوروں کے طرز زندگی سے بھی گیا گزرا ہے۔

معاشرے کی اخلاقی برائیاں

امت مسلمہ کا ایک سانحہ یہ بھی ہے کہ اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے اس امت میں طرح طرح کے اخلاقی بگاڑ اور برائیوں نے جنم لیا۔ ملت اسلامیہ آج وہ تشخص برقرار نہیں رکھ سکی جو ان کے اسلاف نے ان کو دیا تھا۔

۵۳۔ مسند احمد ،من حدیث ثوبان رضی الله عنه،(ح ۲۲٤٥۰)

۵٤۔ مسند احمد ،من حدیث ابو هریره رضی الله عنه،(ح۹۸۱۸)

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی اخلاقی قدریں اتنی بالا ہوتی تھیں کہ غیر مسلم اس سے متاثر ہوتے تھے لیکن آج مسلمانوں کی حالت زار یہ ہے کہ وہ تمام برائیاں مسلم معاشرے میں پائی جاتی ہیں جو کسی غیر مسلم معاشرے میں ہوتی ہیں۔

حضرت انسؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرمایا کرتے تھے:

انکم لتعلمون اعمالا هی ادق فی اعینکم من الشعر ان کنا لنعدها علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم من الموبقات. ۵۵

''تم لوگ بعض اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظر میں تو بال سے بھی باریک (یعنی معمولی) ہوتے ہیں مگر ہم انہیں آنحضرتؐ کے زمانے میں تباہ کن شمار کرتے تھے۔''

آج مسلم معاشرے میں چوری، زنا، بدکاری، لوٹ کھسوٹ، جھوٹ، وعدہ خلافی، مکروفریب اور دیگر برائیاں اسی طرح عام ہوچکی ہیں کہ جو مسلمان معاشرے میں تصور نہیں ہوتیں تھیں۔ حضرت حذیفہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

اذا استحلت هذه الامة الخمر بالنبیذ والربا بالبیع والسحت بالهدیة واتجروا بالزکاة فعند ذلک هلاکهم لیزدادو اثما. ۵۶

''جب یہ امت شراب کو مشروب کے نام سے، سود کو منافع کے نام سے اور رشوت کو تحفے کے نام سے حلال کرے گی اور مال زکوٰۃ سے تجارت کرنے لگے گی تو یہ ان کی ہلاکت کا وقت ہوگا۔ گناہوں میں زیادتی اور ترقی کا سبب''۔

قرآن ونبوی تعلیمات میں انسان کو معاشرے کی ہر اچھائی کی ترغیب دی گئی ہے اور برائی سے روکا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ۵۷

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔''

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَب

۵۵۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الرقاق (۱٤۱٤)، ۹٦۱/۲، باب مایتقی من .....الخ

۵٦۔ کنزالعمال، کتاب القیامة، الباب الاول، الفصل الثالث فی اشراط الساعة الکبریٰ، ۲٦٤/۱٤

۵۷۔ الحجرات ٤۹:۱۱

بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ﴿۱۲﴾۵۸

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے''۔

ان دو آیتوں میں ان بڑی بڑی برائیوں کے سدباب کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جو بالعموم ایک معاشرے میں لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت پر حملہ، ایک دوسرے کی دل آزاری، ایک دوسرے کی بدگمانی اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس، یہی وہ اسباب ہیں جن سے آپس میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور ہر دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر ان سے بڑے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں آپؐ کا یہ ارشاد مقبول ہوا ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا. ۵۹

''مومن ایک دوسرے کے لیے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے''۔

یعنی ایک مومن کے لیے یہ بات سخت شرمناک ہے کہ مومن ہونے کے باوجود وہ بدزبانی اور شہد پن میں نام پیدا کرے۔ ایک کافر اگر اس لحاظ سے مشہور ہو کہ وہ لوگوں کا مذاق خوب اڑاتا ہے، یا پھبتیاں کستا ہے یا برے برے نام تجویز کرتا ہے۔ تو یہ انسانیت کے لحاظ سے خواہ اچھی شہرت حاصل کرے تو یہ کم از کم اس کے کفر کو تو زیب دیتی ہے مگر ایک آدمی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد ایسے ذلیل اوصاف میں شہرت حاصل کرے تو یہ ڈوب مرنے کے لائق بات ہے۔

ایک قسم کا گمان وہ ہے جو اخلاق کی نگاہ میں نہایت پسندیدہ اور دین کی نظر میں مطلوب اور مقصود ہے۔ مثلاً اللہ اور اس کے رسولؐ اور اہل ایمان سے نیک گمان اور ان لوگوں کے ساتھ حسن ظن جن سے آدمی کا میل جول ہو اور جن کے متعلق بدگمانی کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

''تجسس کی ممانعت کا یہ حکم صرف افراد کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کے لیے ہے۔ شریعت نے نہی عن المنکر کا جو فریضہ حکومت کے سپرد کیا ہے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ جاسوسی ک نظام قائم کرکے لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے بلکہ اسے صرف ان برائیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی چاہیے جو ظاہر ہو جائیں۔ رہیں محض خرابیاں تو ان کی اصلاح کا

۵۸۔ الحجرات ۴۹:۱۲۔

۵۹۔ الجامع الصحيح للبخاری، کتاب الادب ـ ۲/۹۶۶، ۸۹۰، باب تعاون المؤمنين.....الخ

راستہ جاسوسی نہیں ہے بلکہ تعلیم، وعظ وتلقین، عوام کی اجتماعی تربیت اور ایک پاکیزہ معاشرتی ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا۔ آپ کو شک گزرا اور دیوار پر چڑھ گئے دیکھا وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی آپ نے پکار کر کہا اے دشمن خدا کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا ؟ اس نے جواب دیا: ''امیر المومنین جلدی نہ کیجیے۔'' اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں کہ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا آپ نے تجسس کیا اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اجازت لیے بغیر نہ جاؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر گھر میرے گھر میں تشریف لے آئے۔ یہ جواب سن حضرت عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔''-۶۰

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ ''آدمی کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہوتا اس کو ناگوار گزرے۔'' یہ تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت جسے مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے۔ اس میں حضورؐ نے غیبت کی یہ تعریف بیان فرمائی:

''غیبت یہ ہے کہ 'تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔' عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو تو نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر اس میں وہ موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔''

ہمارا موجودہ معاشرہ اخلاقیات کی تعلیم سے بھی دور ہوتا نظر آتا ہے۔ اخلاقی اقدار کی پامالی میں حکمران طبقہ عوام سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس کے آگے بند باندھنے کی ضرورت جتنی آج ہے پہلے کبھی نہ تھی۔

اسلامی نظام اخلاق کی بربادی

اسلام نے اپنے ضابطہ اخلاق کا بنیادی مقصد انسانی کردار وشخصیت کی تعمیر کو قرار دیا ہے۔ اس سے ایک ایسی شخصیت کی تشکیل مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور محبت کی ہمہ وقت طلب گار ہے۔ اور وہ اپنے رب کے سامنے شعوری طور پر خود کو سرنگوں کرتی ہے۔ اسے اللہ کی محبت پروان چڑھاتی ہے۔ یہ وہ بنیادی جذبہ محرکہ ہے کہ جو ایک مسلمان کو سرگرم عمل رکھتا ہے۔ اس کے اعمال کی راہنمائی کرتا ہے اور اسے لالچ اور کینہ پروری سے اس لیے روکتا ہے کیونکہ یہ اعمال اسے حب الٰہی سے دور لے جاتے ہیں۔ اس شخصیت کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ وہ خود کو زمین پر اللہ کا نائب یا خلیفہ سمجھتے ہوئے اس اہم

۶۰- مکارم الاخلاق ابی بکر محمد بن جعفر الخرائطی ۱/ ٤٤٤، بحوالہ:www.alsunnah.com

کردار میں خود کو ڈھالتی رہتی ہے۔

آنحضورؐ نے فرمایا کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ انسانی کردار واخلاق کو اس کی بلند ترین صفات سے ممتاز ومحبوب بنایا جائے۔انہی صفات کی انہوں نے تبلیغ بھی کی اور اپنے عملی کردار سے اسے دنیا کے سامنے پیش بھی کیا تا کہ دنیا یہ جان لے کہ یہ وہ ممکن اعمال ہیں جن کو ہر انسان اختیار کرسکتا ہے۔ایمان اور اخلاقیات وعبادات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

ہر مہذب اسلامی معاشرے میں بنیادی اخلاقیات کا تحفظ ایک لازم امر ہے۔اسلام کے پیش کردہ ضابطۂ حیات و معاشرتی نظام میں اخلاق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔حدیث میں ارشاد ہے۔

((اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقاً)) ۶۱

''تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اخلاق میں اچھے ہیں۔''

اور ایک اور جگہ ارشاد ہے:۔

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لاتمم حسن الاخلاق)) ۶۲

''مجھے اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

اسلام نے جو معاشرتی نظام تشکیل دیا ہے اس میں انسان کو اخلاق کی اہمیت سمجھاتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسانی عروج و زوال کا مدار اخلاق ہی پر ہے۔اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مادی وسائل کا حصول بھی کامیابی کے لیے شرط لازم ہے مگر اس کا اصل جوہر اعلیٰ اخلاق ہی ہے۔جو اسے اللہ کا نائب اور زمین پر اس کا خلیفہ ہونے کی ذمہ داری نبھانے میں معاونت کرتا ہے۔اخلاقیات کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ بیان کرتے ہیں:

''اخلاقیات ہمیں دو بڑے شعبوں میں منقسم نظر آتے ہیں:

1۔ بنیادی انسانی اخلاقیات 2۔اسلامی اخلاقیات۔۶۳

بنیادی انسانی اخلاقیات سے مراد وہ اوصاف ہیں جو دنیا میں انسان کی کامیابی کے لیے لازم ہیں،خواہ اس کا کسی بھی قسم کا مقصد ہو۔اس کے اندر ارادے کی طاقت اور فیصلے کی قوت ہو،عزم وحوصلہ،صبر وثبات اور استقلال ہو،تحمل وبرداشت، ہمت وشجاعت ہو،مستعدی و جفاکشی ہو،اپنے مقصد سے عشق اور اس کے لیے ہر چیز قربان کردینے کا عزم ہو،حزم واحتیاط، معاملہ فہمی اور تدبر ہو،حالات کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور مناسب تدابیر کرنے کی قابلیت ہو،اپنے جذبات وخواہشات اور ہیجانات پر قابو ہو اور دوسرے انسانوں کو موہنے اور ان کے دل میں جگہ پیدا کرنے اور ان سے کام لینے کی صلاحیت ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ فیاضی، رحم، ہمدردی،انصاف،وسعت قلب و نظر، سچائی،امانت،راست بازی،ایفائے عہد، معقولیت، اعتدال،شائستگی اور طہارت ونظافت وہ بنیادی اوصاف ہیں جو کہ درحقیقت سرمایہ انسانیت ہیں۔

۶۱۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب المناقب ،باب صفۃالنبی، (ح۳۵۵۹)

۶۲۔ موطا امام مالك، باب ماجاء فی حسن الخلق، (ح۱۶۴۳)

۶۳۔ مودودی ابوالاعلیٰ ،تحریك اسلامی کی اخلاقی بنیادیں،ص ۱۴

اسلامی اخلاقیات

اسلامی اخلاقیات دراصل انسانی اخلاقیات کومکمل کرنے کا نام ہے۔مسلمان ان اوصاف کو اللہ کی رضا کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے اور یہ اخلاق انسان کوخودغرضی،نفسیانیت،ظلم اور بے حیائی سے پاک کرکے، **مفتاح للخیر،مغلاق للشر** یعنی بھلائی کا دروازہ کھولنے والا اور برائی کا دروازہ بند کرنے والا بنادیتا ہے۔

((صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَأَحْسِنْ اِلیٰ مَنْ أَسَاءَ اِلَیْکَ وَقُلِ الْحَقَّ وَ لَوْ عَلیٰ نَفْسِکَ)) ۶۴

''جوآپ سے کٹ جائیں اس سے تعلق رکھو، جو تجھ سے برائی کریں اس کے ساتھ احسان کرو۔حق بات کہو اگراس کی زد میں تیرا اپنا نفس آجائے۔''

اگر انسان حضورؐ کے اسوہ کو اپنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے اسے اپنی شخصیت میں ایسی اخلاقی صفات پیدا کرنی چاہییں جن کی موجودگی اس کی شخصیت کومحکم اور موثر بنادے، ان میں حسن خلق،سچائی،تواضع،حلم اور وفائے عہد شامل ہیں ان صفات کے باعث آپ خود مطمئن رہیں گے۔لوگ بھی آپ سے خوش رہیں گے اور آپ کے لیے آگے بڑھنے میں آسانی ہوگی۔

محمد بشیر جمعہ لکھتے ہیں:

''ضروری نہیں ہے کہ جب آپ ان صفات کو اپنائیں تو دوسرے بھی انہیں صفات کے ساتھ پیش آئیں۔اس معاملہ میں بعض اوقات مایوسی بھی ہوتی ہے مگرہم اپنے عزم صمیم کے ذریعے ہی ان صفات پر قائم رہ سکتے ہیں''۔۶۵

علامہ ابن جوزی اپنی کتاب منہاج القاصدین کے باب ''غور وفکر میں فرماتے ہیں۔

''ہرایک مرید کے پاس ایک کتاب ہونی چاہیے جس میں وہ تمام صفات مہلکہ اور تمام صفات نافعہ،تمام معاصی وطاعات کو درج کرے اور ہر روز ان کا مطالعہ کیا کرے۔ ہمارے نزدیک ہلاک ہونے والی چیزوں میں سے دس چیزوں پر غور کرلینا کافی ہے۔اگران سے بچ گیا تو دوسری چیزوں سے بھی بچ گیا''۔

(1) بخل (2)تکبر (3)عجب اورخودپسندی (4)ریا (5)حسد (6)غصہ (7)کھانے کی حرص (8)جماع کی حرص (9)مال کی محبت (10)جاہ کی محبت۔

اسی طرح نجات دلانے والی دس چیزوں پرغور کرنے کو کہا:

(1)گناہوں پر ندامت (2)مصیبت پرصبر (3)تقدیر پر راضی رہنا(4)نعمتوں پرشکر کرنا (5)امید وخوف کا معتدل ہونا (6)دنیا سے بے رغبتی (7)اعمال میں اخلاص (8)لوگوں کے ساتھ حسن سلوک (9)اللہ کی محبت (10)خشوع۔

''جب بری خصلتوں میں سے ایک سے نجات پائے تو اپنی کتاب میں اس پر لکیر کھینچ دے اور اب اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دے۔پھر باقی نو کی طرف توجہ کرے اور اس طرح کرتا جائے۔یہاں تک کہ سب پر لکیر

۶۴۔ کنزالعمال ،۳ / ۳۵۹، جامع الصغیر مع الشرح ،ح:۳/ ۱۹۴

۶۵۔ محمد بشیر جمعہ،شاہراہ زندگی پر کامیابی کا سفر،تعمیر شخصیت کے اخلاقی اوصاف (خیر الناس من ینفع الناس) ص۱۲۱

کھینچ دے۔اس کے بعد اپنے نفس سے نجات دلانے والی صفات اپنے اندر پیدا ہونے کا مطالبہ کرے اور جب اس میں ایک صفت پیدا ہوجائے تو اس پر خط کھینچ دے اور باقی میں مشغول ہوجائے''۔٦٦

ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرلینے سے انسان ان اخلاقی اوصاف کا حامل بن سکتا ہے جن کا حکم اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا ہے اگر دیکھا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اخلاق حسنہ کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ ان کو اپنانے پر کئی ایک شہادتیں بھی دی ہیں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کرنے والے کے لیے جنت کی بشارت دی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

((عَنْ اَبِی اَیُّوْبَ رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِی عَلَی عَمَلٍ اَعْمَلُہُ یُدْنِینِی مِنَ الْجَنَّۃِ وَیُبَاعِدُ نِی مِنَ النَّارِ قَالَ تَعْبُدُاللّٰہَ وَلاَ تُشْرِکُ بِہٖ شَیئاً وَ تُقِیْمُ الصَّلاۃَ وَتُوْتِی الزَّکَاۃَ وَتَصِلُ ذَارَحْمَکَ فَلَمَّا اَدْبَرَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ تَمَسَّکَ بِمَا اُمِرَبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ.)) ٦٧

حضرت ابو ایوبؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت کے قریب اور جہنم سے دور کردے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی بندگی کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر اور رحم والوں سے تعلق قائم رکھ۔جب وہ آدمی واپس پلٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جن باتوں کا اسے حکم دیا گیا ہے اگر ان مضبوطی سے کاربند رہا تو جنت میں داخل ہوگا۔''

خوش اخلاق تہجد گزار، کثرت سے نفلی روزے رکھنے اور دوسروں کو کھانا کھلانے والے لوگ جنت میں جائیں گے۔

((عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ،قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ لَغُرَفًایُرَی ظُھُوْرُھَا مَنْ بُّطُوْنِھَا وَبُطُوْنُھَامِنْ ظُھُوْرِھَا فَقَامَ اِلَیْہِ أَعْرَابِیٌّ فَقَالَ،لِمَنْ ھِیَ یَا نَبِیَ اللّٰہِ ؟ قَالَ ھِیَ لِمَنْ اَطَابَ الْکَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَاَدَامَ الصَّیَامَ وَصَلّٰی بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ.))٦٨

''حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے محل ہیں جن کے اندر سے باہر کی ہر چیز نظر آتی ہے اور باہر سے اندر کی ہر چیز نظر آتی ہے۔ایک اعرابی نے کھڑے ہوکر عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ! یہ کس آدمی کے لیے ہیں ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اس کے لیے جو اچھی بات کرے،کھانا کھلائے، بکثرت روزے رکھے اور جب لوگ رات کو مزے کی نیند سو رہے ہوں تو اٹھ کر نماز پڑھے''۔

اسی بنیادی نظام اخلاق کے اوپر حسن معاشرت کا سارا دار و مدار ہے۔جس میں والدین سے حسن سلوک،اولاد کی اچھی

٦٦۔ محمد بشیر جمعہ،شاہراہ زندگی پر کامیابی کا سفر،تعمیر شخصیت کے اخلاقی اوصاف،ص ١٢٦

٦٧۔ الصحیح المسلم ،کتاب الایمان، باب بیان الایمان الذی یدخل الجنۃ ،ح:١٠٤

٦٨۔ ترمذی ،ابواب الجنۃ، باب ماجاء فی صفۃ غرف الجنۃ،(ح٢٥٢٧)

تربیت، اہل وعیال کی نگرانی اور ان پر خرچ کی فضیلت،قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک، یتیم ومسکین، پڑوسی، ہم نشیں،مسافر کے ساتھ اچھے معاملات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

مگر آج کا معاشرہ مغربی تہذیب واخلاق کے تابع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ہمیں ذہنی وفکری غلامی میں مبتلا کر کے عملاً غلام بنایا جا رہا ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی صورت حال سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((یوشک الأمم أن تداعی علیکم کما تداعی الاکلة الی قصعتها، فقال قائل: ومن قلةٍ نحن یومئذٍ؟ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعنَّ اللّٰه من قلوب عدوِّکم المهابة منکم ولیقذفنَّ اللّٰه فی قلوبکم الوهن فقال قائل یارسول اللّٰه وما الوهن،قال حب الدنیا وکراهیة الموت))[۶۹]

''عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ جب اقوام عالم تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں گے جیسے بھوکا دسترخوان پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ایک آدمی نے پوچھا کیا تب ہم تھوڑے ہوں گے آپؐ نے فرمایا نہیں تم بہت زیادہ ہوگے لیکن تم سیلاب کی جھاگ کی مانند ہوگے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت ختم کردے گا اور تمہارے دلوں میں وہن (کمزوری) ڈال دے گا۔سوال کرنے والے نے پوچھا: ''وہن کیا چیز ہے؟'' تو آپؐ نے جواب میں فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت کا خوف''۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آگاہی کے باوجود آج حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بے شمار گناہوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے اور اسی حب دنیا کی وجہ سے ہر غیر اخلاقی حرکت کر رہی ہے۔مثلاً :مصلحت کوشی کے نام پر منافقت، بدعہدی، بے ایمانی، وقت کا ضیاع،فضول خرچی، اسراف،کفر وشرک،بدعات، قبر پرستی، پیر پرستی،توہمات، طاؤس رباب اور رقص وسرود،عریانی وفحاشی کا کلچر، ذرائع ابلاغ کی آزادی کے نام پر اخلاق ومعاشرت کی دھجیاں بکھیر دینے کا کلچر عام ہو رہا ہے۔

بیوٹی پارلرز کی کثرت، اخبارات کا گندے اشتہارات سے بھرپور ہونا، گھریلو ناچاقی کا بڑھتا ہوا رجحان،خلع و طلاق کی کثرت،عورتوں کا مقامی رسم ورواج کی قربان گاہ پر استحصال،عورتوں پر تشدد، نشے کا بڑھتا ہوا زہر، چوری، ڈاکے،قتل وغارت گری اور طاقت کے بے محابہ استعمال کے منظر نامے نے اس نظام اخلاق کی دھجیاں بکھیر دی ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی اصلاح ورہنمائی کے لیے معاشرے میں رائج کیا تھا۔

اخلاق ومعاشرت کی دھجیاں بکھیر دینے کا کلچر کے نظریات ہمیں مغربی نظام معاشرت سے ملے ہیں اور انہی نظریات کو اپنا لینے کی وجہ سے ہم اپنی پہچان کھوتے جا رہے ہیں۔مغربی نظام معاشرت اور اس کے نظریات کا ذکر منیر احمد خلیلی صاحب اس طرح کرتے ہیں:

''مغربی نظام معاشرت میں یہ نظریہ مقبول ہوتا جا رہا ہے کہ ہر وہ عمل جو دوسروں کے لیے تکلیف اور

۶۹۔ ابو داؤد ،کتاب المداهم ،باب فی تداعی الامم علی الاسلام ،(ح ٤٢٩٧)

نقصان کا باعث بنتا ہو وہ اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔شراب نوشی، فحاشی وعریانی،عورتوں اور مردوں کا بے محابہ اختلاط، بغیر شادی کے عورت و مرد کا اکٹھے رہنا۔ہم جنسوں کا آپس میں شادی رچانا۔اسقاط حمل اور ایسے ہی بہت سے اعمال ہیں جن سے ان کے خیال میں دوسروں کو کسی قسم کی زحمت ونقصان کا احتمال نہیں ہوتا اس لیے یہ اخلاق کی تعریف سے خارج سمجھے جاسکتے ہیں''۔۷۰

اپریل 1989ء میں کل پاکستان خواتین کانفرنس میں بھی یہ موضوع زیر بحث لایا گیااور اس بارے میں کہا گیا:

''تہذیب انسانی کے تقریباً سارے ہی ادوار میں اور خود مغرب میں اٹھارویں صدی کے اواخر تک مخلوط معاشرے کا موجودہ تصور ناپید تھا۔عورتوں اور مردوں کی تقسیم کار موجود تھی۔لیکن خدا نا آشنا تہذیب کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی مادہ کی دوڑ اور اس میں مسابقت کے جنون اور مخلوط معاشرت نے اخلاق وتہذیب کی دھجیاں بکھیر دی ہیں''۔۷۱

U.N لیبر آرگنائزیشن کے مطابق: ''آج کے کام کاج کے مطابق آپ کے بیوی اور بچے نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ گھر پر رہنا عورت کو مطمئن تو کر دیتا ہے لیکن اس میں کافی خطرات ہیں جوان میں سے آدھی سے زیادہ شادیاں طلاق پر ختم ہوجاتی ہیں۔''۷۲

سید عبداللہ سیف الحاطمی اسلامی تہذیب واخلاق کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے اور وہ تہذیبوں کے خاتمے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''شراب نوشی، باہمی تنازعات، بے حیائی اور سیاسی و معاشی ناکامیوں کے ساتھ ساتھ معاشرت کے زوال کی سب سے بڑی وجہ اختلاط مرد وزن ہے''۔۷۳

مغربی نظام معاشرت کے ان نظریات کو اپنا لینے سے سب سے زیادہ ''خاندان'' متاثر ہوا ہے۔عورت کی معیشت و سیاست کی دوڑ میں بھاگنے سے وہ اپنے اصل فریضہ ء انسان سازی سے غافل ہوگئی ہے اور نظام اخلاق و معاشرت تباہ ہوتا جارہا ہے۔منشیات کے عادی اور جرائم پیشہ افراد کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے۔اس لیے کہ ان کی تربیت کرنے والی اور ان کو اچھے اور برے کی تمیز سکھانے والی ماں گھر پر موجود نہیں ہے۔

اسلامی نظام معاشرت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کائنات کی یہ ساری تخلیق قاعدہ زوجیت، یعنی Pairs کی شکل میں بنائی گئی ہے اور اسی کے لیے ارشاد ربانی ہے!

﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ﴾ ۷۴

۷۰۔ منیر احمد خلیلی ''محمد عربیؐ کے قائم کردہ اخلاقی معیارات، ص۱۴

۷۱۔ حریم ''کل پاکستان خواتین کانفرنس'' ۲ تا ۳/اپریل ۱۹۸۹ء لاہور، ص ۱۱۱

۷۲ The Magazine: When Mother stop home by Meqan Tather Ford, Wednesday,13Dec,2000

۷۳ Syed Abdullah Saif Al Hatim Women in Islam- Chapter-7,We are at the verge of dilemna, P:147

۷۴۔ الذاریات ۵۱:۴۹

''اور ہم نے ہر چیز کو جوڑا پیدا کیا''۔

زوجیت کی تعبیر وتشریح کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اب اس بات پر غور کریں کہ زوجیت کیا شے ہے؟ زوجیت میں اصل یہ ہے کہ ایک شے میں فعل ہو اور دوسری شے میں قبول اور انفعال، ایک شے میں تاثیر ہو اور دوسری میں تاثر، ایک شے میں عاقدیت ہو اور دوسری میں معقدیت۔ یہی عقد و انعقاد، فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر کا تعلق دو چیزوں کے درمیان زوجیت کا تعلق ہے۔ اسی سے تمام ترکیبات واقع ہوتی اور عالم خلق کا سارا کارخانہ چلتا ہے''۔۷۵

اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات، یعنی انسان کو بھی جوڑے کی شکل میں پیدا کیا اور پھر عورتوں کو کھیتی اور مردوں کو کاشتکار سے تشبیہہ دی اور دونوں کے درمیان فطری کشش اور شدید میلان کا جذبہ رکھ دیا اور ان کو اپنی دوسری مخلوقات سے ممتاز رکھا۔ انہیں محبت اور تعلق، دل کے لگاؤ اور روحوں کے اتصال اور رازداری اور شریک رنج و راحت کے تعلق میں باندھا اور ایسی دائمی وابستگی میں پرودیا جو لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔

''عورت کی ذات میں مرد کے لیے سکون کا سرمایہ رکھ دیا تاکہ اس مشقت اور ہنگاموں بھری دنیا میں ایک عافیت اور راحت کا گوشہ مہیا رہے۔ یہ انسان کی خانگی زندگی ہے اسی سے اولاد کی محبت اور تحفظ نسب اور وراثت کے قوانین بنے اور حیا کے جذبے کو نشوونما ملی مگر اس سب کی بنیاد تقویٰ کو قرار دیا کہ جب تک اللہ کے خوف سے ہر غلط سے رک نہ جائے اور اللہ کی محبت میں ہر نیکی کو کر نہ گزرے، معاشرے کا نظام صحیح بنیادوں پر استوار ہونا ناممکن ہے۔ تقویٰ کو معاشرتی استحکام کے لیے ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔''۷۶

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نکاح اور زن وشوہر کے تعلقات کو خاندان اور معاشرے کے استحکام کی اساس قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''خاندان اور معاشرے کا استحکام عورت اور مرد کے قانونی اور جائز صحبت اور تسکین سے بھرپور تعلق میں پوشیدہ ہے مگر آج کے معاشرے میں نکاح اور خاندان کی تنظیم کی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے اور نتیجے میں خاندانی نظام کی ایسی بربادی اور تباہی وقوع پذیر ہورہی ہے کہ ہر نسل کی تربیت پہلی نسل سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ افراد میں خودغرضی اور خودسری اتنی ترقی کرتی جارہی ہے کہ تمدن کا شیرازہ بکھرنے لگا ہے۔ نفوس میں تلون اور سیمابی صفت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ قومی سیاست اور اس کے بین الاقوامی رویہ میں کوئی ٹھہراؤ باقی نہیں رہتا۔''۷۷

مزید لکھتے ہیں:

۷۵۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، پردہ (اسلامی نظام معاشرت)، ص ۱۸۱

۷۶۔ ڈاکٹر رخسانہ جبیں، خاندان: استحکام کے بنیادی تقاضے، عورت، خاندان اور ہمارا معاشرہ، ص ۱۱۶

۷۷۔ مودودی ابوالاعلی: پردہ (خاندانی نظام کی بربادی)، ص ۷۸

''ان حالات میں نکاح کا رشتہ اس قدر بودا ہوگیا ہے کہ بات بات پر ٹوٹ جاتا ہے اور اب تو اس رسمی تکلف کو بھی ضروری نہیں سمجھا جارہا۔ اس کے ساتھ ساتھ جو ایک دوسرا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے وہ بچوں کی ذمہ داری اٹھانے سے فرار ہے کیونکہ بچوں کی پرورش ایک اعلیٰ درجہ کا صبر اور خواہشات کی قربانیوں والا جذبہ چاہتا ہے جو ان عارضی جوڑوں میں بالکل ناپید ہوتا ہے اس لیے اب نام نہاد ترقی یافتہ معاشروں کو نئی نسل کی کمی کا سامنا ہے''۔[۷۸]

ہر سال نسل انسانی کو اپنی بقاء اور ارتقاء کے لیے ایسے لاکھوں اور کروڑوں جوڑوں کی ضرورت ہے جو رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو اس خدمت اور اس کی ذمہ داریوں کے لیے پیش کریں۔نکاح ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ یہ فرد پر جماعت کا حق ہے اور فرد کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ خود اپنے لیے محفوظ رکھے۔ جو لوگ بغیر کسی معقول وجہ کے نکاح سے انکار کرتے ہیں وہ جماعت کے نکھٹو افراد، یعنی (Parasites) ہیں بلکہ غدار اور لٹیرے ہیں کیونکہ جماعت نے اس امید پر اس کی ناقص قوتوں کی تکمیل میں اپنا سرمایہ اور قوت صرف کی کہ وہ جب کچھ دینے کے قابل ہوگا تو دے گا۔ اب اگر وہ فریضہ سرانجام نہیں دے رہا بلکہ صرف اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں لگ گیا تو وہ اس جماعت کے ساتھ غداری اور دھوکہ بازی کرتا ہے۔

نظام اخلاق ومعاشرت میں بگاڑ کے اسباب

انسانی زندگی میں بگاڑ چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔

1۔ خدا سے بےخوفی:

جو دنیا میں بے انصافی، بے رحمی، خیانت اور ساری اخلاقی برائیوں کی جڑ ہے۔

2۔ خدا کی ہدایت سے بے نیازی:

جس نے انسان کے لیے کسی معاملہ میں بھی ایسے مستقل اخلاقی اصول باقی نہیں رہنے دیے ہیں جن کی پابندی کی جائے۔ اسی چیز کی بدولت اشخاص اور گروہوں اور قوموں کا سارا طرز عمل مفاد پرستی، لذت پرستی اور خواہشات کی غلامی پر قائم ہوگیا ہے۔

3۔ خودغرضی:

جو صرف افراد ہی کو ایک دوسرے کی حق تلفی پر آمادہ نہیں کرتی بلکہ بڑے پیمانے پر نسل پرستی اور طبقاتی امتیازات کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور اس سے فساد کی بے شمار صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

4۔ جمود یا بے راہ روی:

جس کی وجہ سے انسان یا تو خدا کی دی ہوئی قوتوں کا استعمال ہی نہیں کرتا، یا غلط استعمال کرتا ہے یا تو خدا کے بخشے ہوئے ذرائع سے کام نہیں لیتا، یا غلط کام لیتا ہے پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ کاہل اور نکمے لوگوں کو زیادہ دیر تک اپنی زمین پر قابض نہیں رہنے دیتا بلکہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آتا ہے جو کچھ نہ کچھ بنانے والے ہوں۔

۷۸۔ پردہ، خاندان کی تاسیس ص ۱۳۲

دوسری صورت میں جب غلط کار قوموں کی تخریب ان کی تعمیر سے بڑھ جاتی ہے تو وہ ہٹا کر پھینک دی جاتی ہیں اور بسا اوقات خود اپنی ہی تخریبی کارروائیوں کا لقمہ بنادی جاتی ہے۔۷۹

''اسی اصول کو مزید بیان کرتے ہوئے مولاناؒ کہتے ہیں : خدا کے اس قانون کی پہلی اور سب سے اہم دفعہ یہ ہے کہ ''وہ بناؤ کو پسند کرتا ہے اور بگاڑ کو پسند نہیں کرتا۔ مالک ہونے کی حیثیت سے اس کی خواہش یہ ہے کہ اس کی دنیا کا انتظام ٹھیک کیا جائے اور اس کو زیادہ سے زیادہ سنوارا جائے اور اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتا کہ اس کی دنیا کو بگاڑا جائے، اجاڑا جائے اور بدنظمی اور گندگیوں اور ظلم وستم سے خراب کرڈالا جائے۔۸۰

ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسان بعض چیزوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور بعض چیزوں سے نفرت کرتے ہیں۔اس لیے جن چیزوں کو ان کی فطرت چاہتی ہے وہ ہیں نیکیاں اور جن چیزوں کو وہ پسند نہیں کرتے وہ ہیں برائیاں۔پس انسان کے نظریات وافکار اور اخلاق وعمل کے دو حصے ہیں خیر وشر، نیکی اور برائی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیکی اور برائی کی کسوٹی کیا ہے؟ خیر وشر کا معیار کیا ہے؟

آخر یہ بھلائی اور خیر مطلق کیا ہے جس کو جانچ کر یہ معلوم ہوسکے کہ کون سی چیز نیکی ہے اور کون سی چیز برائی ؟

اس سوال پر افلاطون سے لے کر مارکس اور ہیگل تک مغربی فلاسفرز کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ ان میں سے بعض کے کہنے کے مطابق خیر مطلق اور آخری بھلائی درحقیقت مسرت وخوشی ہے اور جو چیز انسانیت کے لیے خوشی ومسرت کا باعث ہو وہ نیکی ہے اور جو رنج والم کی موجب ہو وہ برائی ہے۔

افلاطون کہتا ہے کہ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ مسرت وخوشی خیر وشر کی کسوٹی ہے۔ یہ خیر مطلق اور آخری بھلائی ہے لیکن یہ مسرت خالص ہونی چاہیے جس کے ساتھ رنج والم کی آمیزش نہ ہو، یہ خوشی کامل ہونی چاہیے۔جس میں کسی قسم کے نقصان کا پہلو نہ ہو۔ نیز یہ خوشی دائمی بھی ہوتا کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہے۔

''بعض فلاسفرز کا نقطہ نظر یہ ہے کہ خیر وشر کا معیار، نیکی اور برائی کی کسوٹی، ''افادیت'' ہے یعنی جو چیز مفید ہے بس وہ نیکی ہے اور جو چیز نقصان دہ ہے وہ برائی .....لیکن یہ فلاسفرز یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ کس کا کیا فائدہ ؟.....خود اپنا فائدہ، نسل کا فائدہ، قوم یا طبقہ کا فائدہ؟ مارکس کہتا ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ خیر وشر کا معیار ''افادیت ہے لیکن اخلاق ہمیشہ غالب معاشی طبقوں کی فلاح وبہبود کے تابع ہیں.....جو طبقہ برسراقتدار ہوتا ہے اور جس کے ہاتھ میں دولت ہوتی ہے۔اس کے نزدیک جو چیز مفید ہے وہ نیکی ہے اور جو چیز مضر ہے وہ برائی کہلائی جاتی ہے۔بعض فلاسفرز ''کمال کو خیر وشر کا معیار سمجھتے ہیں۔''۸۱

مولانا معین الدین خٹک لکھتے ہیں :

۷۹۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، بناؤ اور بگاڑ، ص ۲۹،۳۰ ۸۰۔ بناؤ اور بگاڑ، ص ۵

۸۱۔ مولانا معین الدین خٹک، اسلام وعصر حاضر کا چیلنج، ص ۱۲

''یعنی سارے فلسفی آج تک خیر وبھلائی کی تعریف کرنے اور اس کا صحیح معیار مقرر کرنے سے قاصر ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں اسلام نے تفصیل کے ساتھ اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ خیر اور بھائی نام ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا جیسا کہ ''اسلام بڑے مفصل دلائل سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ کائنات کی پیدائش ایک علیم وخبیر ہستی کے منصوبے، ادارے اور علم کا تقاضا ہے۔ انسان کا مقام خلیفہ اور نائب کا ہے اور انسان اس دنیا میں آزمائش کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے مالک اور حاکم، یعنی اللہ کی مرضی پوری کرے۔ ان سوالات کو حل کرنے کے بعد پھر اسلام کہتا ہے کہ خیر وشر کی کسوٹی اور معیار اللہ کی رضا کا حصول ہے اور یہی خیر مطلق ہے اور ہر وہ چیز خیر اور نیکی ہے جو انسان کو رضائے الٰہی تک پہنچاتی رہے اور جو چیز انسان کو رضائے الٰہی سے دور پھینکنے والی ہو وہ شر اور برائی ہے۔''[۲۱۲]

پہلا مقصد وحدت انسانی ہونا چاہیے تاکہ نوع انسانی کے درمیان موجودہ نسلی، جغرافیائی اور طبقات عصبیتوں کی تمام دیواریں گرا کر ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکے۔

پھر دوسرا مقصد وحدت الہ ہونا چاہیے، یعنی سب انسان ایک ہی معبود حقیقی اور خالق و مالک کی عبادت کریں اور اسی کے دیے ہوئے نظام حکمرانی کو اپنائیں اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کریں اور ان کا حکمران ایک ہو ایک حکمران کو مانے بغیر یہ ممکن نہیں کہ یہ عالمی ریاست قائم کر سکیں۔

اور تیسرا مقصد وحدت حیات انسانی ہونا چاہیے یعنی پوری انسانی زندگی ایک وحدت ہے ایک اکائی ہے۔ جس طرح کائنات کی مختلف اکائیوں میں ایک وحدت ہے اور وہ مخصوص طبعی قوانین کے تحت ہم آہنگی کے ساتھ کام کر رہی ہے تو اس طرح انسانی زندگی کے معاملات اور شعبوں میں ہم آہنگی اور وحدت ہونی چاہیے۔

اور پھر چوتھا مقصد 'وحدت نظام' ہونا چاہیے۔ یعنی وحدت انسانی کے لیے ایک ہی عالم گیر نظام ہو، جب انسانیت میں وحدت پیدا ہوگی۔ حکمران ایک ہو جائے گا۔ حیات انسانی میں وحدت پیدا ہو جائے گی تو اس کے نتیجے میں لامحالہ وحدت کا نظام قائم ہوگا۔

اخلاق کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر

میکیاولی فلسفہ کے ماتحت مغربی سیاست نے یہ تصور اپنا لیا ہے کہ حصول مقصد کی خاطر خواہ کتنے ہی برے وسائل کیوں نہ اختیار کیے جائیں ان میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسی فلسفے کے تحت تو مغربی سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹ گیا اور اب لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیاست ہے اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل میں لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے کہ اگر اخلاق کا رشتہ ایمان باللہ سے ٹوٹ جائے تو یہ اخلاق قائم رہ سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی مزاحمت برداشت کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں محمد قطب کی کتاب 'جدید جاہلیت' سے چند مفکرین کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

۲۱۲۔ مولانا معین الدین خٹک، اسلام وعصر حاضر کا چیلنج، ص ۱۵

مارکس کہتا ہے:

''جنسی عفت تباہ شدہ جاگیرداری معاشرہ کی بچی کھچی چیز ہے۔اور ان کی وقتی قیمت اسی اقتصادی دور کے ساتھ تھی۔''۸۳؎

یعنی اس کے نزدیک انسانی عفت وعصمت جیسے قیمتی جوہر کی کوئی حیثیت نہیں، جہاں اس قسم کے خیالت پنپ رہے ہوں وہاں اخلاقیات کا کیا تصور رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں عفت وعصمت کی اپنی ذاتی قیمت ہے اور معاشیات سے صرف نظر کرکے بھی انسان کو اس کی اتباع کرنی چاہیے کیونکہ یہ صفت اس انسان کے ساتھ مخصوص ہے جو اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔

فرائڈ کہتا ہے:

''انسان بغیر جنسی بھوک رفع کیے اپنے ذاتی وجود کو محقق نہیں کرسکتا۔ مذہب،اخلاق،معاشرہ اور روایات تمام بندشیں غلط ہیں اور انسان کی طاقت کو کچلنے والی ہیں۔نیز یہ بندشیں غیر قانونی بھی ہیں''۔۸۴؎

ڈرکام کہتا ہے:

''ماہرین اخلاق انسان کے اپنے نفس پر فرائض کو اخلاق کی بنیاد بتاتے ہیں، یہی مذہب کا بھی معاملہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب ان خیالات کی پیداوار ہے، جو طبعی قویٰ پیدا کرتے ہیں یا جو بعض یگانہ شخصیتوں کے ذہن میں آتے ہیں (رسول اور انبیاء مراد ہیں) لیکن اسی طریقہ کار کا اجتماعی ظواہر پر منطبق کرنا ممکن نہیں۔سوائے اس کے کہ ہم ان ظواہر کی طبیعت ہی بدل ڈالیں۔''۸۵؎

مزید کہتا ہے:

''بعض علماء کہتے ہیں کہ انسان میں ایک فطری مذہبی میلان ہے۔ آخری میلان کسی درجہ میں جنسی غیرت، والدین سے نیکی، بیٹوں کی محنت اور اسی قسم کے دوسرے جذبات سے کچھ ملا ہوا ہے کچھ لوگوں نے مذہب، نکاح اور خاندان کی بھی اس انداز سے تعبیرات کی ہیں۔لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کے یہ تمام جذبات فطری نہیں ہیں''۔۸۶؎

مزید کہتا ہے:

''سابقہ رائے کو بنیاد بناتے ہوئے اب یہ کہنا ممکن ہے کہ قانونی اور اخلاقی قواعد سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اگر یہ تعبیر درست ہو،اسی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن اخلاقی قواعد کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے وہی علم اخلاق کا موضوع بن جائیں''۔۸۷؎

معاملے کی سنگینی ہر ذی فہم محسوس کرتا ہے کہ قدرت کا نظام بھی سب کی سمجھ میں آتا ہے۔ جب ایک آدمی کسی عورت سے محبت کرتا ہے، اس کا خیال رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، زندگی کی دوڑ میں اس کا ساتھی بنتا ہے، تو وہ معاشرے کا ایک

۸۳۔ محمد قطب، جدید جاہلیت، ص:۱۶۸،۱۶۹ ۔۔۔ ۸۴۔ ایضاً

۸۵۔ ایضاً ۔۔۔ ۸۶۔ ایضاً ۔۔۔ ۸۷۔ ایضاً

کارآمد فرد بنتا ہے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ یہ سارے کام خاندان کے طور پر کرے۔ شادی کے بعد کرے۔ اگر وہ شادی کے بغیر یہ سب کام کرتا ہے تو پہلا ہدف تو خاندان بنتا ہے۔ بچے بنتے ہیں اور خود وہ عورت بنتی ہے جسے وہ شادی کے بغیر رکھتا ہے۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ معاشرے میں اس کے مساوی حقوق نہیں ہیں۔ گویا وہ اپنی تسکین کا سامان کررہا ہے، اپنی خواہشوں کا غلام ہے۔ اس کے اندر خودغرضی کا بھوت موجود ہے۔ خاندان اس کی تسکین کو لگام دیتا ہے، اس کے جنسی رویوں میں توازن پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی ضرورت ہے، اپنے بچوں کی ضرورت ہے۔ یہی خاندان کا حسن ہے۔ اس تعلق سے سب فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

گویا مرد کا خانگی کردار متعین ہے۔ اگر وہ اسے ادا کرتا ہے تو وہ قوم اور معاشرہ مضبوط بناتا ہے۔ خاندان ایک بہتر ماحول فراہم کرسکتا ہے۔ اگر وہ اس کردار سے خود کو جزوی یا کلی طور پر الگ کرتا ہے، اپنی تسکین کے راستے نکالتا ہے اور خاندان کو نظر انداز کرتا ہے تو آج کا مغربی معاشرہ اس کی بڑی درست عکاسی کرتا ہے۔ اس معاشرے میں ترقی، سہولت، آسانی سب ہے لیکن زندگی نہیں ہے۔ حفاظت نہیں عفت و پاکدامنی ہے، عورت اور بچے غیر محفوظ ہیں، خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

اس کے بارے میں مرزا محمد الیاس رقم طراز ہیں:

''تحریک نسواں نے خاندان توڑ دیا اور وہ ایک گھریلو خاتون کو گھر سے نہیں نکال سکی۔ لیکن اس نے اس خاتون کا حصار تو توڑ دیا جس میں وہ خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔ وہ بچے پیدا بھی کرتی ہے اور ان کو پالتی بھی ہے۔ یہ اس کا پیشہ نہیں ہے۔ یہ صلاحیت ہے۔ یہ اس کا کاروبار نہیں بلکہ اس کا اعزاز ہے۔ خاندان مخالف نظریات تو اس صلاحیت اور اعزاز کو بھی مرد کی سازش قرار دے کر مسترد کرتے ہیں''۔۸۸

مزید لکھتے ہیں:

''ان حالات میں مغرب کا مسئلہ محض یہ نہیں ہے کہ وہاں عورت کا قتل ہو رہا ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ مغرب نے عورت کے حقوق کی جنگ ہار دی ہے۔ عورت نے برابری کے دھوکے میں اس جنگ کو قبول کرلیا ہے۔ دونوں شدید دھوکہ میں ہیں۔ مرد اپنے سے کمزور فریق کو قتل کررہا ہے اور عورت اس فریق کو زیر کرنے کے جذبے سے خود کو نامساعد حالات کے حوالے کررہی ہے۔ ان حالات کا تدارک اسی میں ہے کہ مغرب خاندان کی طرف لوٹ آئے۔ خاندان کی لبرل تعبیر پر ایک مرتبہ غور کرے اور فرد کی آزادی پر سب کچھ قربان نہ کرے''۔۸۹

اخلاقی بندھن بہت آہستہ آہستہ ڈھیلے ہوتے ہیں جس سے لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید اخلاق کی گرفت ابھی تک مضبوط ہے۔ لیکن پچھلی صدی میں جو واقعات سامنے آئے ہیں وہ کسی اور ہی بات پر دلالت کررہے ہیں۔ فرانس میں اخلاقی بگاڑ اور بے حیائی جب آخری حدوں کو چھونے لگی اور اس دوران اس کو جنگ کا سامنا کرنا پڑا تو جدید اور مہلک ترین اسلحہ کے

۸۸۔ مرزا محمد الیاس، ماہنامہ آئین، جولائی ۲۰۰۷ء بے اعتبار رشتوں کا نوحہ، ص۹۳

۸۹۔ مرزا محمد الیاس، ماہنامہ آئین، جولائی ۲۰۰۷ء بے اعتبار رشتوں کا نوحہ، ص۱۱۳

باوجود وہ جرمنی کا مقابلہ نہ کرسکا۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ جرمنی کی بمباری سے پیرس کی رقص گاہیں تباہ نہ ہوجائیں چنانچہ دو ہفتے کے اندر اندر فرانس نے ہتھیار ڈال دیے۔

1962ء میں کینڈی نے اپنے صدارتی بیان میں کہا کہ'' امریکہ کا مستقبل خطرے میں ہے کیونکہ فوج میں شمولیت کے لیے آنے والے ہر سات میں سے 6 نوجوان ناکام لوٹا دیے جاتے ہیں کیونکہ شہوت پرستی نے ان کی طبی اور نفسیاتی حالت ابتر بنادی ہوئی ہے۔''

''امریکہ کی وزارت خارجہ نے اپنے 33 ملازمین کو علیحدہ کردیا اس لیے کہ وہ اخلاقی لحاظ سے اس قابل نہ تھے کہ حکومت کے رازوں کے بارے میں ان کو قابل اطمینان سمجھا جاتا''۔۹۰

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، جہاں عفت وعصمت کی حفاظت کا کوئی نظام نہیں ہوتا، وہاں نہ تو ملکی دفاع صحیح انداز سے ہو پاتا ہے اور نہ انتظامی امور چلائے جاسکتے ہیں، بلکہ بہادری کے بجائے بزدلی اور محنت کی جگہ پر کم ہمتی اور کام چوری جیسی عادات در آتی ہیں۔

افغان امور کے ماہر سابق سینیٹر ڈاکٹر مراد علی شاہ نے مغرب کے خاندانی نظام میں اس بے راہ روی کے نتائج بتاتے ہوئے بڑا اہم انکشاف کیا ہے کہ ''افغانستان میں ہلاک ہونے والے امریکی فوجیوں کی تعداد اس تعداد سے کہیں زیادہ ہے جس کا سرکاری طور پر اعلان کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں اکثریت ان فوجیوں کی ہوتی ہے جن کے پیچھے رونے والا کوئی خاندان کا فرد نہیں ہوتا۔ یہ اسی لیے ہے کہ وہ جب مرجھی جاتے ہیں تو ان کے لیے کوئی واویلا نہیں مچتا اور گم نامی کی تاریک راہوں میں مارے جاتے ہیں''۔۹۱

امریکہ اور برطانیہ کے صف اول کے حکمرانوں کے اخلاقی بگاڑ کا اندازہ ٹی وی، اخبار و رسائل پر نظر دوڑا کر بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ انگلستان کے وزیر دفاع پروفیمو(Profumeo) نے ایک فاحشہ سے لطف اندوز ہونے کی خاطر حکومت کے جنگی اسرار خطرے میں ڈال دیے۔ اس کے اوپر ایک طوفان برپا ہوا چنانچہ برطانوی دولت مشترکہ پریس کے سالانہ اجلاس میں ایک تقریر کی جس میں اس نے کہا:

''مغربی معاشرے میں غیر صحت مند رجحانات کے فروغ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے جنس کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دی ہے۔ ہمارا معاشرہ مسرتوں کا گہوارہ بن جائے، اگر ہم جنس کے مسئلے پر بحثیں کرکے اسے پیچیدہ سے پیچیدہ تر نہ بنائیں۔ میری رائے میں جنسی معاملات میں مغربی دنیا اس حد تک الجھ چکی ہے کہ رومۃ الکبریٰ کے دور زوال کی حالت بھی قدرے بہتر ہوگی۔ اپنے ہاں کے رسالوں اور کتابوں میں چھپنے والی تصویریں ملاحظہ کریں، کہیں حسن ذوق نظر نہیں آئے گا۔ البتہ جسمانی لذت، شہوانیت اور حیوانیت کے مظاہر دکھائی ضرور دیں گے۔ انگلستان کے کلبوں نے تو بے مقصد اور ہیجان خیز جنسیت کے مظاہروں کی انتہا کردی ہے۔ یہاں رقص کے ایسے برہنہ کلب قائم ہیں جن میں

۹۰۔ محمد قطب ''جدید جاہلیت'' اخلاق کا بگاڑ ص ۱۷۶

۹۱۔ مراد علی شاہ، سید، ڈاکٹر ؟؟؟؟؟؟

انسانیت سوز حرکات کی جاتی ہیں۔اکثر کلبوں میں لوگ، جنسی اذیت رسانی کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔۹۲

یورپی وزرائے انصاف کی کانفرنس کی روداد قلمبند کرتے ہوئے، جل جولی فی نے بیان کیا ہے:

''یورپ میں ہرسال (تقریباً) دس لاکھ بچے (خصوصاً نابالغ بچیاں) اس جنسی انڈسٹری کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔اس مذموم اور گھناؤنے کاروبار نے باقاعدہ صنعت کی شکل اختیار کرلی ہے۔جس میں بچوں پر جنسی تشدد کی فلمیں بنائی جاتی ہیں اور بعض بچوں کو مستقل طور پر کاروبار کا حصہ بنالیا جاتا ہے۔یہ وبا ہرسال بڑی تیزی سے بڑھتی چلی جارہی ہے اور اقوام متحدہ بھی اس ضمن میں کوئی موثر کردار ادا کرنے سے قاصر دکھائی دیتی ہے''۔۹۳

اس سے معلوم ہوا کہ بے راہ روی کا عفریت مغربی معاشرے کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اور آج وہ اس لیے پریشان دکھائی دیتے ہیں کہ اس بے راہ روی سے کس طرح جان چھڑائی جائے، اس کے بڑے بڑے ادارے ان مشکلات اور مسائل پر قابو پانے سے قاصر ہیں۔بچے، بوڑھے، نوجوان، مرد وزن سب اس بیماری کی لپیٹ میں ہیں۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور آج وہ اسلامی ممالک کو بھی اس اخلاق سوز نظام میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان میں بھی غیرت وحمیت اور عفت وعصمت نام کی کوئی چیز نہ رہے۔اگر اسلامی ممالک اپنی نسل نو کو ان غیر اخلاقی چیزوں سے بچانا چاہتے ہیں تو انہیں مغربی نظام، سیکولرازم، کمیونزم کے بجائے اسلامی نظام اخلاق و معاشرت کو اپنانا ہوگا، اس میں ان کی بقاء مضمر ہے۔

عریانی وفحاشی

مختلف قسم کے پرائیویٹ ٹی وی چینلز نے ''لبرل ازم'' اور ''فیشن پرستی'' کے نام پر عریانی، بے باکی، بے حیائی اور بے لباسی عام کردی ہے۔سادگی، حیا اور قناعت رخصت ہوچکے ہیں۔نمود ونمائش، تکلّف اور اسراف بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے برقع، پردہ رخصت ہوا اور پھر دوپٹہ بھی بوجھ محسوس ہونے لگا۔ڈیزائننگ کے نام پر لباس سے بھی ستر اور جسم پوشی والا عنصر ختم ہوتا جارہا ہے۔''جینز اور برائے نام قمیض'' یہ ہماری نوجوان لڑکیوں کا مختصر چست لباس ہے۔

شادی بیاہ کے موقع پر کھلے بال، بے حیاء لباس، زرق برق کپڑے، جگہ جگہ ہاتھوں میں موبائل اور کیمرے، تصاویر اور موویز، ناچ گانا، رقص وسرود، ہلا گلا، مخلوط محفل کا انعقاد۔

اب میل ملاقات کے انداز بدل گئے 'ٹاٹا، بائے بائے اور ہیلو' نے ہمارے دینی شعار 'السلام علیکم' کی جگہ لے لی۔ بزرگوں کا ادب آداب ختم ہوا۔اب چھوٹے بچے اپنے بزرگوں سے بے تکلفی سے گفتگو کرتے ہیں جبکہ ماں باپ اپنے بچوں کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آتے ہیں۔پاس ادب سے نظر نیچی رکھنے کی قدر اب بالکل رخصت ہوچکی ہے۔مرد وعورت

۹۲۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقی، انسانیت کی تلاش ''پروفیوموکیلر اسکینڈل (ایک تہذیبی انجام) ص ۱۵۱

۹۳ The Guardian, London, 23 June,1988

اورمحرم غیرمحرم کی تمیز بھی ختم ہوتی جا رہی ہے۔دن اور رات کے معمولات بدل گئے ہیں۔ہماری راتیں جاگتی اور دن سوتے ہیں۔سحری کے وقت اٹھ کر تیزی،چستی اور مستعدی سے اپنے سارے کام نمٹا لینا اور رات کو جلد سوجانا۔ یہ روایت بھی اب پرانے وقتوں کی یادگار بن کر رہ گئی ہے،اب رات کو دو تین بجے تک جاگنا اور دن کو گیارہ بارہ بجے تک سونا معمول بن کر رہ گیا ہے۔رشتہ داروں سے روابط کمزور جبکہ دوست احباب سے تعلقات مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔تعلیمی اداروں میں رقص وسرود کی باقاعدہ تعلیم،میوزک کنسرٹ،مینا بازار،فن فیئر،فیشن شوز،بیوٹی پارلر اور بوتیک ساری محنت جسمانی خوبصورتی اور مادی خواہشات پر ہے اور روح تڑپ رہی ہے۔سسک رہی ہے،ایمان کمزور،عمل صالح معدوم،حیاء ختم،مسلمان غیروں کی نقالی میں اپنے آپ کو بھلا بیٹھا ہے۔غضب خدا کا معاشرے میں ڈاکوؤں اور فاقوں کا راج ہے۔جس کی وجہ سے لوگ خودکشی کرنے پر مجبور ہیں۔

محترمہ ثریا بتول علوی اس منظر کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''مہنگائی، بے روزگاری اور بدامنی کے ہاتھوں دھڑا دھڑ خودکشیاں اور خودسوزیاں ہو رہی ہوں اور یہ آلام ومصائب اپنے دین سے بیگانگی،اللہ ورسولؐ کے احکام سے انحراف کی وجہ سے رونما ہو رہے ہیں۔ اس ساری صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ''مصلحت پسندی'' کے نام پر منافقت ہمارے جسم کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے اوپر سے کہیں ہم Crush India کے نعرے لگاتے ہیں۔تو کہیں ''امریکہ کا جو یار ہے ہے..... غدار ہے، غدار ہے'' کے نعرے بڑے زور وشور سے لگاتے ہیں مگر ہندوستانی گانوں،فلموں اور سی ڈیز کے بغیر ہماری تفریح مکمل نہیں ہوتی۔نوجوان، بچے، بوڑھے، مردوں وعورت سب افراد خانہ بڑے شوق سے اکٹھے بیٹھ کر ہندوستانی ڈرامے دیکھتے ہیں۔ہماری نوجوان نسل تو اس ہندوستانی ثقافت پر فریفتہ ہے اور آج ہمارا معاشرہ اسی مغربی تقلید کی گرفت میں ہے''۔۹۴

ہم اسی بات پر اکتفا نہیں کر رہے بلکہ ستم بالائے ستم تو یہ ہے ہم اسلام کی خالص تعلیمات کو چھوڑ کر یہود ونصاریٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کا کلچر اور تہذیب تک قبول کر رہے ہیں لیکن وہ پھر بھی ہمیں بنیاد پرست اور دہشت گرد ہونے کا الزام دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہی کریں گے کیونکہ مسلمان سے حسد اور بغض انہیں ورثے میں ملا ہے۔ وہ مسلمانوں سے کبھی خوش نہیں ہوسکتے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ﴾۹۵

''یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقہ پر نہ چلنے لگو۔صاف کہہ دو راستہ صرف وہی ہے جو اللہ نے دکھایا ہے۔وگرنہ اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو پھر اللہ کی پکڑ سے بچانے والا تمہارے پاس کوئی دوست ہے نہ مددگار۔''

۹۴۔ ثریا بتول علوی،ماہنامہ پکار ملت ''اپنی اقدار کا تحفظ کیسے ممکن ہے؟ص۸۳،ماہنامہ پکار ملت،فروری ۲۰۰۸ء

۹۵۔ البقرۃ ۲:۱۲۰

ایک طرف تو خاص و عام شخص اسلام کو بہترین نظام حیات قرار دیتا ہے اور اسلامی نظام لانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے مگر عملاً عوام ہوں یا حکمران دین سے کوسوں دور ہیں۔حلال وحرام کے امتیاز کے بغیر، جائز و نا جائز کا خیال کیے بغیر، دینی و اخلاقی اقدار سے دور، غیر مسلموں جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔جن کا مقصد حیات صرف اور صرف ذاتی مفادات،اپنی مادی خواہشات کا حصول اور بہترین کیریئر کی منصوبہ بندی ہے۔سمگلنگ اور منافع خوری عروج پر ہے۔نوجوان اداکارائیں ایک طرف ماڈلنگ کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتی ہیں تو دوسرے ہی لمحے اپنے عمرے، حج روزے اور اعتکاف کا اشتہار دے کر نیک اور پاک دامن بن رہی ہوتی ہیں۔ذاتی واجتماعی کردار میں پھیلی ہوئی منافقت (عوام کی زبان میں ''مصلحت'') نے ہمارے کردار کی مضبوطی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ہم قوم نہیں بلکہ خود پسندوں کی ایک ایسی جذباتی بھیڑیں بن چکے ہیں جسے نہ غم منانے کا شعور رہا نہ خوشی منانے کی تمیز رہی۔اس نقالی اور مغرب پروری اور اپنی اقدار سے محروم ہونے کی بناء پر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود ۹۶

آج پوری دنیا اباحیت پسندی کا شکار ہے اور اس کے پورے پورے مواقع مہیا ہیں لیکن کیا اس بے قید و بند اباحیت سے جنسی بھوک مٹ گئی۔آخر کیا بات ہے کہ موجودہ دور میں لوگ جنس میں بہت زیادہ الجھے ہوئے ہیں،فلمیں،کتابیں، افسانے، شرمناک تصاویر، ایف ایم ریڈیوز،ڈش اور کیبلز کے پروگرام، ڈانس پارٹیز،کیٹ واک اور فیشن شوز سب پر جنس چھائی ہوئی ہے مگر پھر بھی یہ اخلاقی بگاڑ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور نوبت بہ ایں جارسید کہ یہ بے شوہر مائیں اپنے بن باپ کے بچوں سے جان چھڑانے کے لیے انہیں دوسروں کی تحویل میں دینے کی فکر میں سرگرداں رہتی ہیں یا اس اولاد کو قتل کر کے جان چھڑا لیتی ہیں۔

مرزا محمد الیاس لکھتے ہیں:

> ''اگست 2002ء میں ویسٹ پام سٹی میں عجیب مرحلہ آن پڑا۔چھ عورتیں اپنے بچوں کو کسی کی تحویل میں دینا چاہتی تھیں۔یہ نوزائیدہ بچے جن کو لینے کے لیے بے اولاد جوڑے تیار تھے۔ان عورتوں سے قانون کا مطالبہ تھا کہ وہ ان بچوں کے والد کے نام بتائیں۔یہ نام ان عورتوں کو معلوم نہ تھے۔قانون کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ یہ عورتیں اپنے ماضی کے جنسی رویوں کی تفصیلات بیان کریں، ان مردوں کے نام بتائیں جن سے انہوں نے جنسی تعلق قائم کیا۔ایک اٹارنی نے کہا کہ یہ عورتیں میرے پاس مشاورت کے لیے آتی ہیں۔انہیں یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ ان کی ماضی کی ساری کہانیاں اخبارات میں شائع ہوجائیں گی تو وہ کہتی ہیں کہ چھوڑیے !اس بات کو جانے دیجیے !اب اس میں ایک الجھن اور ہے۔ایک ماں اپنے بچے کو کس کو سونپنا چاہتی ہے کم سے کم بچہ لینے والوں کو یہ علم ہو کہ یہ کہاں سے آیا ہے''۔۹۷

۹۶۔ علامہ محمد اقبالؒ ''بانگ درا'' جواب شکوہ

۹۷۔ مرزا محمد الیاس، ماہنامہ آئین،قتل عشق ''تعلقات کا انجام'' مئی ۲۰۰۷ء،ص ۱۰۳

اس اباحیت پسندی سے نہ صرف بچوں کا مستقبل تباہ ہوتا ہے بلکہ اس میں مبتلا ہونے والے افراد خود بھی بے چینی اور مایوسی کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان کی اگلی منزل خودکشی ہوتی ہے۔ادھر خاندانی نظام اور عائلی زندگی بھی برباد ہوجاتی ہے۔

اس بارے میں محمد قطب لکھتے ہیں:

''دائمی بے چینی و اعصابی کھچاؤ، جنون، منشیات اور خودکشی اس اباحیت پسندی کے وہ تحائف ہیں جو اس نے اب تک انسان کو دیے ہیں۔رہ گئی عائلی زندگی تو اس میں نہ آرام وسکون باقی رہا اور نہ ہی کوئی مضبوط ازدواجی رشتہ باقی رہا۔جس ازدواجی زندگی میں ننھے منے بچے اس رشتہ کو مزید مضبوط اور اس تعلق کو زیادہ گہرا اور پرخلوص بنادیتے ہیں بلکہ اب تو ازدواجی زندگی جانوروں کے معیار سے بھی گر گئی ہے کیونکہ بہت سے جانور اپنی ازدواجی زندگی کو طویل وقت تک برقرار رکھتے ہیں اور وجہ ایک ہی ہے جو ول ڈیورانٹ نے بیان کی ہے یعنی اباحیت''۹۸

اخلاق و معاشرت کی بربادی پر خود اہل مغرب بھی نوحہ کناں ہیں۔مشہور مصنف ول ڈیورانٹ نے 1929ء میں ایک کتاب لکھی The Pleasures of philosphy جس میں وہ کہتا ہے:

''ہم ایک مرتبہ پھر اسی کش مکش سے دوچار ہیں جس سے سقراط گزر چکا ہے۔ہم ایسے طبعی اخلاق کہاں سے لائیں جو آسمانی سرزنش کی جگہ لے لیں جس کا اثر لوگوں کی زندگی سے تقریباً ختم ہوچکا ہے اور اخلاقی بگاڑ ہمارے اجتماعی سرمایہ کو تباہ کرتا جارہا ہے۔۹۹

اخلاقی بگاڑ کے اسباب بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''ضبط ولادت کی دوائیں بھی ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ایک اہم سبب ہیں۔ ماضی میں اخلاقی قانون جنسی تعلق کو نکاح کے ساتھ مشروط قرار دیتا تھا۔کیونکہ نکاح ہی ایک ایسی ممکنہ شکل ہے جس میں باپ اپنے بچے کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔لیکن اب تو جنسی تعلق اور نسل کشی کا رشتہ ہی منقطع ہوگیا ہے جس کے نتیجے میں مرد وزن کے تمام رشتے تغیر پذیر ہوتے جارہے ہیں۔''۱۰۰

آگے وہ موجودہ طرزِ زندگی کو بھی اخلاقی بگاڑ کا ایک سبب قرار دیتے ہیں:

''شہری زندگی نے شادی بیاہ میں رکاوٹیں کھڑی کرکے جنسی بے راہ روی کے ان گنت راستے کھول دیے ہیں۔اب تو جنسی بلوغت بھی تاجیل پذیر تھا۔جاگیرداری نظام معیشت میں اگر جنسی خواہش دبانا ایک امر معقول تھا تو اب صنعتی نظام میں یہ ایک انتہائی دشوار کام ہے کیونکہ صنعتی نظام لوگوں کو 30 کی عمر ہوجانے تک نکاح کے مواقع فراہم نہیں ہونے دیتا۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی طبیعت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ضبط نفس کی صلاحیت کمزور پڑ جاتی ہے۔اب صورت حال یہ ہے کہ عفت و پاکدامنی ایک

۹۸۔ محمد قطب، جدید جاہلیت، جنسی تعلقات کا بگاڑ، ص:۱۸۶

۹۹ Will Durant:The Pleasures of Philosphy,Vol-1P.6, 1929

۱۰۰ Will Durant:The Pleasures of Philosphy,Vol-1,P.120, 1929

مذاق بن کر رہ گئی ہے۔شرم وحیا کا نام ونشان باقی نہ رہا، مرد اپنی بے راہ روی پر فخر کرتے ہیں، عورتیں بے حیائی میں مردوں سے مساوات چاہتی ہیں۔ شادی سے قبل جنسی تعلق ایک جانی پہچانی روایت بن چکا ہے اور اب جاگیرداری نظام کا اخلاقی بندھن ٹوٹ چکا ہے اور آج کے صنعتی دور میں اس اخلاق کی کوئی قیمت نہیں ہے۔''[۱۰۱]

مصنف کی نظر بڑی باریک بین تھی اور وہ اپنے معاشرے کے اخلاقی بگاڑ کا تجزیہ کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے:

''یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ازدواجی زندگی کی اس تاخیر سے کیا کیا معاشرتی خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ازدواجی زندگی کی غیر فطری تاخیر معاشرتی خرابی کا بنیادی اور اہم سبب ہے اور ازدواجی زندگی کے بعد کی اباحیت پسندی کی وجہ سے شادی سے قبل اس کی عادت ہوجانا ہے۔ہم اس پر شکوہ صنعتی دور میں کبھی کبھی زندگی اور اجتماع کی علتیں تلاش کرتے ہیں اور کبھی یہ سوچ کر رہ جاتے ہیں کہ یہ ایک ایسی دنیا ہے جس سے اب کوئی راہ فرار نہیں ہے اور یہی رائے اب موجودہ دور کے سارے مفکرین کی ہے۔لیکن کیا یہ شرمناک بات نہیں ہے کہ امریکہ کی نصف ملین لڑکیاں اپنے آپ کو اباحیت پسندی کی نظر کرچکی ہیں (واضح رہے یہ تحریر 1929ء کی ہے آج کے اعداد وشمار ہم خود اندازہ لگالیں)اور کلب اور عریاں لٹریچر ازدواجی زندگی سے محروم لوگوں میں جنسی ہیجان برپا کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ جبکہ یہ بے چارے صنعتی دور کی لا قانونیت کے بھی مریض ہیں۔تصویر کا دوسرا رخ بھی کچھ کم افسوسناک نہیں ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کی ازدواجی زندگی میں تاخیر ہو۔وہ بازاری عورتوں کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور اس عرصہ میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے پورا بنا سنورا نظام اپنے علمی اداروں کے ساتھ پایا جاتا ہے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خواہشات نفس کے ابھارنے کے لیے عجیب وغریب طریقے ایجاد کرلیے گئے ہوں۔''[۲۲۸]

مذہب سے دوری کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

''غالب گمان یہ ہے کہ لذت پرستی کے رجحان میں ڈارون کے مذہبی خیالات پر حملوں نے بڑا اضافہ کیا ہے۔جب نوجوانوں نے یہ دیکھا کہ مذہب ان کی لذت پرستی کے خلاف ہے تو انہوں نے بھی مذہب کو نکما اور گھٹیا ثابت کرنے کے لیے ایک ہزار اسباب تلاش کرلیے''۔[۱۰۳]

اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ مذہب اور دین سے دوری صرف اس لیے اختیار کی جاتی ہے تاکہ خود ساختہ آزادی اور بے راہ روی میں دین ان پر کوئی قدغن نہ لگائے اور یہ لوگ اپنی مرضی سے جو چاہیں کرتے پھریں۔چاہے اس کے لیے ان کی عائلی زندگی، خاندان کا ادارہ اور معاشرے کا امن وسکون ہی تباہ و برباد کیوں نہ ہوجائے۔

---

[۱۰۱] Will Durant:The Pleasures of Philosphy,Vol-1,P.126-127, 1929

[۱۰۲] Will Durant:The Pleasures of Philosphy,Vol-1,P.127-128, 1929

[۱۰۳] Will Durant:The Pleasures of Philosphy,Vol-1,P.134, 1929

ازدواجی زندگی پر اثرات پڑنے کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

''کیونکہ موجودہ دور میں نکاح اپنے صحیح معنوں میں باقی نہ رہا بلکہ ایک جنسی تعلق بن کر رہ گیا ہے۔ اس لیے عائلی زندگی کی بنیادیں ہی ہل گئیں ہیں۔اب ازدواجی زندگی میں زندگی کے آثار ختم ہوگئے ہیں۔نتیجہ یہ کہ زن وشوہر میں ایک قسم کی اجنبیت سی پرورش پاتی رہتی ہے حتیٰ کہ علیحدگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔مرد کی طبعی خواہشات از سرنو ابھر آتی ہیں جن کی تکمیل سے اس کی بیوی قاصر ہوتی ہے۔''[۱۰۴]

آگے وہ اس اخلاقی بگاڑ کے یقینی نتائج کے بارے میں پیشین گوئیاں کرکے ان حقائق کے بارے میں لکھتا ہے جس کا آج ہم اس بدنصیب دور میں مشاہدہ کررہے ہیں۔مصنف نے 1929ء میں یہ لکھا تھا:

''آخر عادات، رسم و رواج اور مختلف نظاموں کے اس سیل بے کراں کا نتیجہ کیا ہوگا جبکہ گھریلو زندگی تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہے اور یک زوجی کا دستور اپنی اہمیت کھوچکا ہے۔ اب تو یہی ہوگا کہ جنسی تعلقات سے نسل انسانی کو بڑھانے کا مقصد قطعی طور پر فوت ہوجائے گا۔اگرچہ اس قسم کے آزادانہ تعلقات زیادہ تر مرد ہی کی جانب سے ہوں گے لیکن عورت بھی تن تنہا زندگی گزارنے سے اس روش ہی کو غنیمت خیال کرے گی۔ ازدواجی رشتے ٹوٹ جائیں گے اور عورت مرد کو شادی سے قبل تجربہ پر آمادہ کرے گی۔طلاق کی کثرت ہوجائے گی۔پھر نکاح کا نظام از سرنو استوار کیا جائے گا جس میں زیادہ سہولتیں ہوں، ضبط ولادت ایک عام سی بات ہوجائے گی اور بچوں کی پرورش کے لیے گھریلو ماحول کی بجائے سرکاری تربیت گاہیں قائم ہوجائیں گی''۔[۱۰۵]

یہ اس مفکر کے اقتباسات ہیں جو اپنی معاشرت اور نظام اخلاق کے بگاڑ کو دیکھ کر فکرمند تھا۔اب بھی مغربی ممالک کے سرکاری اعداد وشمار اس معاشرت کی بڑی گھناؤنی تصویر پیش کررہے ہیں مگر صرف اعداد وشمار شائع کیے جاتے ہیں نہ اسباب کا تذکرہ ہوتا ہے اور نہ علاج میں کوئی دلچسپی لی جارہی ہے اور جو حقائق نظر آرہے ہیں وہ یہ ہیں کہ اخلاق کا بگاڑ ہی انسانی نفس اور انسانی معاشرے کی تباہی کا باعث ہے اور اخلاقی بگاڑ ہی تہذیب ومعاشرت کے زوال کا اصل سبب ہے۔

گزشتہ نصف صدی میں یورپ تحریک نسواں کا سب سے بڑا علمبردار تھا اور اب یہ وہی یورپ ہے جہاں عورتوں کے بارے میں کویت کے رسالے **المجتمع** میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ خواتین کا نعرہ ہے''ہم ماں کا کردار ادا کرنا چاہتی ہیں''۔ یورپی معاشرہ انتہائی تناقضات کا شکار ہے۔ملازمت اور محفوظ مستقبل کی خاطر لوگ کثرت سے یورپ کا رخ کرتے ہیں مگر اب اقتصادی بحران کی زد میں آکر ملازمتوں کا بحران پیدا ہوچکا ہے اور کارکنوں کو دوگنا کام کرنا پڑرہا ہے۔ اس کی وجہ سے خاندان کا ادارہ بھی زوال پذیر ہے اور مادی دوڑ میں سرگرداں خاندان اپنی تاریخ میں پہلی بار حقیقی افلاس سے دوچار ہے۔

---

۱۰۴ Will Durant:The Pleasures of Philosphy,Vol-1,P.225, 1929

۱۰۵ Will Durant:The Pleasures of Philosphy,Vol-1,P.235,236, 1929

پورے یورپ میں وقت کا علاج نہایت مشکل ہے۔ ہر شخص وقت کی کمی کا رونا رو رہا ہے۔ اسی رپورٹ میں کہا گیا ہے:

''فرانس کی 70 فیصد سے زائد خواتین کی عمر اس وقت 35 برس یا اس سے زیادہ ہے۔سوئٹزر لینڈ کی 66 فیصد سے زائد خواتین 40 برس سے زائد عمر کی ہیں۔اب ان مملکتوں کا شمار بوڑھی مملکتوں میں کیا جانے لگا ہے۔44 فیصد سے زیادہ کامیاب ملازم خواتین کا کہنا ہے کہ انہیں یہ کامیابی اولاد اور گھر کو ملازمت کی بھینٹ چڑھا کر حاصل ہوئی ہے جبکہ 32 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ انہیں اپنی ملازمت کے لیے اپنا بلیدان (اپنا آپ قربان کرنا) دینا پڑا ہے''۔۱۰۶

ریڈیو فرانس انٹرنیشنل کے ایک سروے کے مطابق خواتین کی بڑی تعداد اسے گھر کی طرف مراجعت قرار دے رہی ہے جسے فرانسیسی میڈیا فکری انقلاب سے تعبیر کر رہا ہے۔ان کا نعرہ ہے Come back to home۔

فرانس میں ایک اہم اخبار لیبر اسیون کی طرف سے قارئین کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا ہے کہ معاشرے کو خاندانی نظام اپنانے کے لیے کس طرح تیار کیا جائے؟اس کے جواب میں 31 فیصد خواتین کا کہنا تھا کہ ہم مزید ملازمت نہیں کرنا چاہتیں۔لہٰذا گھریلو اخراجات وضروریات کے لیے ماہانہ مشاہرہ دیا جائے۔اسی سروے کو مدنظر رکھتے ہوئے اور فرانس کے محفوظ مستقبل کے لیے ہی فرانس کی نیشنلسٹ پارٹی نے اسے باقاعدہ اپنے منشور کا حصہ بنا لیا ہے۔

فرانس کی مشہور ماہر معاشیات فلولانس موریاتی سے جب دریافت کیا گیا کہ ماضی کی بہ نسبت اب گھروں کو لوٹنے والی خواتین کی تعداد کیوں زیادہ ہو رہی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک عورت کا زندگی میں ہمیشہ اہم کردار رہا ہے مگر آج کی عورت سوچ رہی ہے کہ وہ اپنی ممتا اور امومت قربان کر کے بھی کچھ حاصل نہ کر سکی۔وقت گزرنے پر آج ان کو احساس ہوا ہے کہ ڈھلتی عمر میں اب ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے نہ گھر نہ بچے،مصروفیت نے انہیں اتنا وقت ہی نہ دیا کہ وہ شادی کر سکتیں اور اب تنہائی اور عزلت کاٹ کھانے کو دوڑ رہی ہے اور خوابوں کے محل چکنا چور ہو چکے ہیں۔

فرانس کے مشہور صحافی شارل موورا مذکورہ خواتین کے تجزیے سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یورپی عورت عجب مشکلات میں گھری ہوئی ہے اس کے لیے ایک ہی وقت میں بیوی اور ملازم پیشہ عورت کا کردار ادا کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ان کا کہنا ہے کہ:

''فرانس میں طلاق کی اونچی شرح اور بن بیاہی ماؤں کی بڑی تعداد واضح کر رہی ہے کہ ان پر ان کی بساط سے زیادہ بوجھ لاد دیا گیا ہے۔انجام کار اس پر واضح ہوتا ہے کہ اس نے حقیقی معنوں میں کوئی گھر نہیں بسایا، نہ اس کا کوئی شوہر ہے اور نہ اولاد، میرے نزدیک تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ یورپ کو روحانی اقدار کی طرف لوٹنا چاہیے بالفاظ دیگر ہمیں اپنی بہتری کے لیے اپنے خاندانی نظام کو بحال کرنا ہوگا''۔۱۰۷

۱۰۶۔ یاسمینه صالحه،نرید أن نکون أمهات،المجتمع، کویت ،عدد :۱٦۸۰،دسمبر ۲۰۰۵

۱۰۷۔ یاسمینه صالحه :نرید أن نکون أمهات، المجتمع، کویت ،عدد: ۱٦۸۰،دسمبر ۲۰۰۵ء

مغربی معاشرہ میں شادی کی تباہی اور اب تحفظ دینے کے اقدامات

مغربی تہذیب نے جنسی آوارگی اور آزادانہ جنسی اختلاط کے فروغ کے ذریعے ''شادی کے ادارے'' کو نہ صرف تباہ کردیا ہے بلکہ اس کے بچے کھچے کھنڈرات کو بھی زیر و زبر کرنے کے لیے معاشرے کے ناجائز مطالبات پر ایسے قوانین بناڈالے جس کے باعث شوہر اور بیوی کا تعلق محض ایک کاروباری، قانونی، عدالتی اور مالی تعلق رہ گیا ہے۔ طلاق اور گھریلو جھگڑوں کی صورت میں بعض غیر عادلانہ، سفاکانہ اور حددرجہ ظالمانہ قوانین کے باعث مرد کو صرف ظالم اور عورت کو صرف مظلوم تسلیم کرنے کے عملی تاثر کے باعث مرد کو مالی طور پر اتنے نقصانات اٹھانے پڑے کہ مردوں نے ''باقاعدہ شادی'' کی روایت سے مکمل انحراف کیا اور ''بے قاعدہ'' شادی، یعنی بغیر شادی کے کئی کئی بچوں کے والدین ساتھ رہ رہے ہیں۔مگر وہ اپنے ازدواجی تعلق کو کاغذات کی زنجیر میں باندھنے سے اس لیے گریزاں ہیں کہ اگر کل ناچاقی یا نا اتفاقی کی صورت پیدا ہوئی تو عورت مرد کی تمام جائیداد مکان، آدھی تنخواہ وغیرہ کی مالک بن جائے گی اور مرد کی زندگی میں محرومی اور خواری کے سوا کچھ نہ رہے گا۔ اس صورت حال کے باعث مغرب کا پورا خاندانی نظام تباہ ہوگیا ہے۔

> ''جرمنی نے خاندانی نظام کو بحال کرنے اور دو بچوں سے زائد بچے پیدا کرنے والے ماں باپ کو محصولات میں بڑے پیمانے پر رعایت اور مختلف مالی مراعات دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اب امریکی سینٹ نے بھی جرمنی کی پیروی میں ری پبلکن پارٹی کی تجویز پر شادی شدہ جوڑوں پر عائد ٹیکس میں عائد سہولت کا بل منظور کرلیا ہے۔ سینٹ میں کمی کی تجویز کے حق میں 61 جبکہ مخالفت میں 38 ووٹ آئے۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے آٹھ ارکان نے بھی ری پبلکن کی اس تجویز کی سینٹ میں حمایت کی۔ ری پبلکن پارٹی کا کہنا ہے کہ امریکی عوام پہلے ہی محصولات کے بوجھ میں ہیں لہٰذا شادی شدہ جوڑوں پر عائد ٹیکس میں سہولت دینا ضروری ہے۔''[۱۰۸]

امریکی سینٹ کی جانب سے اس بل کی منظوری مغربی تہذیب کی شکست کا اعلان ہے۔ مغرب نے خالق ارض وسماء اور فطرت سے جنگ کرکے اپنے خاندانی نظام کو تباہ کرلیا۔ اب وہ فطرت کی طرف لوٹنے کے سفر کا آغاز کررہی ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

> ''امریکہ میں 'ماؤں کے عالمی دن' پر دس لاکھ سے زیادہ ماؤں نے اسلحہ کے فروغ کے خلاف سخت قانون سازی کے لیے جلوس نکالے۔ امریکہ کی تاریخ میں خواتین کے اتنے عظیم الشان اور طویل جلوس اس سے پہلے کبھی نہیں نکلے۔ ماؤں کی جانب سے اسلحہ کے خلاف اس احتجاج کی وجہ امریکی معاشرے میں بڑھتی بے چینی، تشدد، اسلحہ کا استعمال اور غنڈہ گردی کی بڑھتی ہوئی روایت ہے جس کے باعث امریکہ میں ہر روز 12 بچے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ ہلاک ہونے والے بچوں کی ماؤں نے ان جلوسوں میں بھرپور طریقے سے شرکت کی اور مطالبہ کیا کہ ارکان کانگریس پستول اور دیگر آتشیں ہتھیاروں پر تحدید عائد کرنے کے

۱۰۸۔ ماہنامہ ساحل، کراچی: مغرب میں شادی کے ادارے کو تحفظ دینے کے اقدامات، ص:۳۷، اگست ۲۰۰۰ء

لیے سخت قوانین منظور کریں''۔[۱۰۹]

خاندان اوراس کا ماحول معاشرہ کاایک اہم جزوہوتا ہے۔معاشرہ پر لکھتے وقت اس کونظر انداز نہیں کیا جاسکتا' مغرب میں جومشرقی آباد ہیں'ان کے آنگن کی بات نرینداوتھر صاحب نے اپنے انداز میں لکھی ہے اورپس منظر میں مغربی دورن خانہ کے رازبھی واکردیے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''ہندوستان اورانگلستان دونوں کے کلچرل اورقدروں کوساتھ ساتھ نبھانامشکل ہوتاہے،مثلاً جہاں انگریز لڑکیاں شام دیرتک اپنے یاروں کے ساتھ کلبوں میں گھومتی پھرتی ہیں وہاں ہندوستانی لڑکیوں کوسورج ڈھلے سیدھے گھرآنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔''[۱۱۰]

بیشترشادیاں جلدہی ٹوٹ جاتی ہیں،کئی نوجوان علم بغاوت بلندکرکے وہیں کسی انگریز سے شادی کرلیتے ہیں لیکن ایسی شادیاں بھی اکثرناکام رہتی ہیں۔نیتجاً عام طور پرنوجوان نسل کے لوگ فیض کے مصرع''جوکوئے یارسے نکلے توسوئے دار چلے'' کے مصداق شادی کے منڈپ سے نکلتے ہیں توطلاق کی عدالت کی طرف چل پڑتے ہیں۔

مشترکہ خاندانی نظام .....رحمت یازحمت؟

مشترکہ خاندانی نظام کی برکات ونقصانات پر ہمارے معاشرے میں بحث جاری رہتی ہے۔ دونوں کی حمایت میں اورمخالفت میں بڑے مضبوط دلائل دیے جاتے ہیں مگراس نظام کارواج زیادہ تر ملک کی دیہی آبادی میں ہے۔یہ امرواقع ہے کہ حالات کی تیزرفتارتبدیلی سے تیسری دنیاکے ملکوں میں بھی دیہاتوں شہروں کی طرف آبادی کی منتقلی کی رفتار بہت تیز ہوگئی ہے غالب احوال میں شہری زندگی مشترک خاندانی نظام کی متحمل نہیں ہوتی بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ شہری زندگی میں حالات ایک دوسری انتہا کوپہنچ رہے ہیں۔اورمختصرخاندانوں کابڑھتاہواروا ج والدین اوراپنے قریبی اعزہ واقرباء کے ان بہت سے حقوق کو بھی مجروح اور پامال کرنے کاسبب بن رہاہے جن کی ادائیگی ہرمسلمان کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔لیکن اس کے باوجودیہ حقیقت ہے کہ ابھی تک برصغیرمیں آبادی کا80فی صدحصہّ دیہاتوں ہی میں رہ رہاہے۔جہاں روایتی طور پرمشترکہ خاندانوں کوآج بھی ایک طرح کا تقدس حاصل ہے اورمسلمانوں کی عظیم اکثریت اسے مثالی طرزمعاشرت باورکرتی ہے۔شہری زندگی میں بھی مسلمانوں میں اس کارواج کسی نہ کسی درجہ میں بہرحال موجودہے۔

مشترکہ خاندانی نظام کے نقصانات:

یہ نظام اپنے اندرجن معاشرتی خرابیوں کوسموئے ہوئے ہے۔ان کے نفسیاتی معاشرتی،دینی اورمالیاتی پہلودرج ذیل ہیں۔

نفسیاتی پہلو:۔ایک صاحب شعوراور باارادہ ہستی ہونے کی حیثیت سے پرائیویسی انسان کی فطرت میں داخل ہے مگرمشترکہ خاندانی نظام میں وہ اس حق سے محروم رہتاہے اوروہ ہروقت ایک بے چینی اوربے اطمینانی کی کیفیت میں گرفتار

۱۰۹۔ ماہنامہ ساحل: رپورٹ ماؤں کا عالمی دن پر امریکہ میں دس لاکھ ماؤں کا اسلحہ کے فروغ کے خلاف احتجاج،ص:۵۷،اگست ۲۰۰۰ء

۱۱۰۔ ماہنامہ آئین ،مرزامحمد الیاس''امریکی معاشرہ،مشاہدات کی روشنی میں مارچ۲۰۰۸ءص۸۴،۸۵

ہوتا ہے۔اُسے کوئی بھی تسکین حاصل نہیں ہو پاتی جس سے وہ نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوجاتا ہے۔

معاشرتی پہلو:۔اگرچہ معاشرے میں یہ بات رائج ہے کہ مشترکہ نظام میں بڑی برکت ہوتی ہے مگر یہاں پر ہروقت کی بھیڑاوراژدہام سے کوئی بھی وقت سکون کا نہیں ملتااورآدمی زندگی بھر گھر کے سکون سے ناآشنا رہتا ہے اورساری عمر تک پلیٹ فارم کی سی کیفیت محسوس کرتا ہے۔خانگی ذمہ داریوں میں شوہر کی شرکت اورزیادہ سے زیادہ مدداورتعاون اسلام کا مطلوب تقاضا ہے۔حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اسوہ تھامگر پھیلے ہوئے نظام میں یہ سہولت کسی طوربھی ممکن نہیں ہو پاتی۔

دینی پہلو:۔مسلمان اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اللہ اوراس کے رسولؐ سے وفاداری نبھانے کو دیتا ہے۔اورنماز اس وفاداری کا پہلا اوراہم مظہر ہےمگر مشترکہ خاندانی نظام میں یہ فریضہ مختلف مجبوریوں کی وجہ سے بر وقت ادا کرنے میں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔قرآن کریم میں زوجین کوایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ارشادربانی ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾۱۱۱

''وہ تمہارے لیے لباس ہیں اورتم ان کے لیے لباس ہو۔''

وہ بلاکسی رکاوٹ کے ایک دوسرے سے متصل ہوں اور ایک دوسرے کی کمزوریوں کو چھپانے والے اور ایک دوسرے کی زینت بڑھانے والے ہوں مگرمشترکہ نظام میں ان تقاضوں پرعمل نہیں ہوسکتا۔

مالیاتی پہلو:۔ یہ نظام اس لحاظ سے بھی بڑی بے اعتدالیوں کا شکار ہے۔انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنی کمائی پر اپنا پورا اختیار چاہتا ہے مگر گھر کے مرکزی نظام کے احترام میں اسے اپنا حصہ گھر کے سربراہ کے حوالہ کرنا ہوتا ہے اور ایک غیر مطمئن سی زندگی گزارتا ہے۔ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی طرح اللہ نے دنیا میں ہرآدمی کی روزی الگ الگ رکھی ہے اور جب کبھی اس نظام کا شیرازہ بکھرتا ہے تو کسی کی مٹھی بھری اورکسی کی بالکل خالی ہوتی ہے۔گھر کا سربراہ اکثر اوقات جھوٹ بول کر اور خسارہ دکھا کر اپنی مالی پوزیشن مستحکم کرتا رہتا ہے۔ اس نامطلوب نظام معاشرت میں جب گھر کے باشعور لوگ اپنی مالیات کی حفاظت نہیں کرسکتے تو اس کے اندر یتیموں اور بے سہارا افراد کے مال ومتاع کی نگرانی کی کیا ضمانت ہوسکتی ہے۔

حضورنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ سن لو

((لا يحل مال امر ء مسلم الا بطيب نفس منه)) ۱۱۲

''کسی آدمی کا مال دوسرے کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اسے خوشدلی سے نہ دے''۔

اورمشترکہ خاندانی نظام میں یہ خوشدلی ناپید ہوتی ہے اور انسان دینی ومعاشرتی اور مالی ونفسیاتی پہلوؤں سے غیر مطمئن اور ناآسودہ رہتا ہے۔

اسلام کا مطلوبہ خاندان:اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے متعلق اکثر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اگر بیوی کو الگ گھر لے

۱۱۱۔ البقرہ۲:۱۸۷ ۱۱۲۔ رواه الامام احمد فى مسنده ۵/۷۲،۷۳،رواه البيهقى فى السنن الكبرى۶/۱۰۰

کردے دیا تو والدین کی خدمت کون کرے گا حالانکہ جس اسلام نے بیوی کے لیے حقوق کا تعین کیا ہے اسی اسلام نے والدین کے حق کو قرآن کریم کے ذریعے بارہ مقامات[۱۱۳] پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور بیشتر مقامات پر بندگی رب کے بعد دین کا سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بڑا ہی محروم بتایا اور اس کے لیے یہ بدعا دی کہ اس کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنایا۔

((رغم أنف رغم أنف ثم رغم انف،قيل من يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ادرک ابويه او احدهماعندالكبرفلم يدخل الجنة.))[۱۱۴]

''اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کی عمر میں موجود پایا لیکن (ان کی خدمت کے عوض)جنت میں داخل نہ ہوسکا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشتہ کے حقوق کا لحاظ نہ رکھنے والے کو خدا تعالیٰ اپنے سے دور کر دیتا ہے۔

ان سب باتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے عمل سے ایک مضبوط خاندانی نظام کی بنیاد رکھی۔ان احکام کی مخاطب مرد کے ساتھ ساتھ عورت بھی ہے۔

اور رحمت وصلہ رحمی کی اُمید مرد کے ساتھ ساتھ عورت سے بھی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس کے والدین اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی میں پوری معاونت کرے گی مگر تصویر کا ایک دوسرا رُخ یہ بھی ہے کہ یہ لازم امر تو نہیں ہے کہ ہر شادی شدہ شخص کے ماں باپ ستر اسی سال کے بوڑھے ہوں گے جن کو ہمہ وقت خدمت کی ضرورت ہوگی۔ ایسا بھی تو ممکن ہے کہ اسلام جلد نکاح کرنے کا خواہش مند ہے تو باپ 40یا42 سال کا ہوا اور بیٹا 20یا22 سال کا تو اس کی شادی کا فریضہ سرانجام پا جائے اور سب اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں بلکہ اب جو خرابی درآئی ہے کہ لوگ بیرون ملک سالہا سال تک رہتے ہیں اور جوان بیویاں سسرال میں چھوڑ جاتے ہیں جو بہرحال شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔شادی کے بعد بیوی کا الگ مکان اسے تحفظ فراہم کرتا ہے۔مشترکہ نظام میں وہ اپنے حقوق کا تحفظ کسی طور پر نہیں کرسکتی۔اس لیے اسلام اپنی معاشرت میں یہ تقاضا کرتا ہے کہ سب افراد کے ساتھ یکساں حسن سلوک ہو والدین،اعزہ واقرباء اور زوجین اور اولاد کے حقوق کا تحفظ بھی ممکن بنایا جائے اور وہ الگ الگ یونٹ تفویض کرنے میں ہی ممکن ہے۔

مرزا محمد الیاس لکھتے ہیں:

''ہم دراصل ایک ایسے نقال بن رہے ہیں جسے نقل کرنا بھی نہیں آتی۔اگر لبرل تہذیب نے اپنے لوگوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اٹھارہ برس کے ہوجائیں تو والدین سے کہہ دیں کہ آج ہماری آزادی کا دن ہے۔گلی محلوں میں ایسی پارٹیاں کریں جن میں رکاوٹ عبور کرنے کی خوشی منائی جائے۔بغل گیر ہوا جائے،سب

۱۱۳۔ **والدین کے حقوق کے ۱۲ مقامات**:البقره٢:٨٣،النساء٤:٣٦،الانعام٧:١٥١،بنی اسرائيل١٧ :٢٣،لقمان٣١:١٤،١٥ العنكبوت ٢٩:٨،احقاف٤٦:١٥،ابراهيم ١٤:٤١النمل٢٧:١٩،نوح ٧١:٢٨،مريم ١٩:٣٢

۱۱۴۔ الصحيح المسلم،كتاب البروالصلة، باب رغم انف من ادرك ابويه اواحد هما عندالكبرفلم يدخل الجنة ،ح:٦٥١٠

کچھ کیا جائے تو اس سے کہاں یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس نظام معاشرت کو ہم بھی قبول کریں جن کا اپنا نظام معاشرت بہت بہتر ہے۔نظام معاشرت تب ٹوٹتا ہے جب اسے توڑنے والے خود کو ہیرو اور دوسروں کو زیرو سمجھتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں خاندان ایک ایسی اکائی ہے جس پر ہماری ساری معاشرتی زندگی کی عمارت کھڑی ہے۔گھر سے یا خاندان سے فرار ہو کر شادی کرنے والی بچیوں نے اس زندگی کو بہت سی الجھنوں اور مسائل سے دوچار کر دیا ہے۔ معاشرے میں ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو تسلسل اور تشدد کے ساتھ گھر سے فرار ہونے والوں کو ایسا تحفظ دینے پر آمادہ رہتا ہے جس سے ایک فریق کو کچھ مل جائے اور پورے خاندان سے سب کچھ چھین لیا جائے۔''۱۱۵

ہمارا معاشرہ منظّم معاشرہ نہیں ہے اس معاشرے کو کسی تنظیم اور وحدت کی طرف لے جانے کا ماڈل ہمیں تیار کرنا ہوگا۔اس ماحول کو ہم نے مستعار اقدار اور بے مہار آزادیوں پر استوار کیا تو ہم مغرب کے رہیں گے اور نہ مشرق کے۔ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ہم فرد کے حقوق وفرائض سے کیا مراد لیتے ہیں؟ ہم انسان کو ایک ایسے انسان کے طور پر دیکھیں جیسا کہ لبرل یورپ اور امریکہ میں دیکھا جاتا ہے تو پھر سیکولر ماڈل اختیار کرنا ہوگا۔ پھر قانونی لائسنسوں کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔محبت اور عشق،فلموں اور ڈراموں سے نکل کر جس طرح ہماری زندگی میں داخل ہو رہے ہیں شاید ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ ہمارا انجام وہ نہیں ہوگا جو مغرب کا ہو رہا ہے۔مغرب کے انسانی ماڈل کو آج جس چیلنج کا سامنا ہے، وہ روحانیت کا چیلنج ہے، وہ اپنی شناخت سے بڑھ کر اب خود انسان کی شناخت کا چیلنج ہے۔ہمیں آنکھیں بند کر کے نقال نہیں بننا ہے۔ ہماری شناخت برقرار نہ رہی تو کسی شناخت کے اہل نہیں رہیں گے۔

''اس ماڈل کی جانب پیش رفت میں قیامت کیا ہے جس میں بچیوں کو شادی کے لیے گھر سے فرار نہ ہونا پڑے جس میں ماحول اس قدر حبس نہ ہو کہ اسے اسلام کا نام دے کر غیر اسلامی رویوں کا جواز بنا لیا جائے۔ اسی طرح سے انفرادی رویے اس قدر خود غرض نہ ہوں کہ سراسر اباحیت کو زندگی کا متبادل سمجھ لیں اور گھروں سے فرار پر آمادہ ہوتے جائیں۔ خاندان ٹوٹ گیا تو سب سے زیادہ متاثر سیکولر طبقہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بے مہار آزادیاں اس کے بچوں کو اس کی خوراک بنا دیں گی۔فیصلہ قوم نے کرنا ہے۔فرار یا قرار''۔۱۱۶

نوجوانوں میں مجرمانہ رویے

''تمہارے پاس ایک سو ارب مواقع تھے۔تم آج ان کو طلوع ہونے سے روک سکتے تھے۔لیکن تم نے میرے خون کا فیصلہ کیا۔تم نے مجھے دیوار سے لگا دیا۔تم نے میرے پاس کوئی راستہ نہیں چھوڑا۔ فیصلہ تمہارا تھا،اب تمہارے ہاتھوں پر تمہارا لہو ہوگا اور تم اسے صاف بھی نہیں کر سکو گے۔'' یہ وہ جملے ہیں جو کوریائی طالب علم،23 سالہ شونے اس وقت بولے جب وہ ورجینیا کی یونیورسٹی میں انسانوں کا قتل عام کر رہا تھا۔ وہ بالکل اندھا ہو چکا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے سامنے

۱۱۵۔ مرزا محمد الیاس،ماہنامہ آئین،گھر سے فرار ہونے والے،ص: ۶۵،جون ۲۰۰۶ء

۱۱۶۔ مرزا محمد الیاس،ماہنامہ آئین،گھر سے فرار ہونے والے،ص: ۶۸،۶۹،جون ۲۰۰۶ء

کون ہے۔کون نہیں ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس نے ایک سو مرتبہ فائر کیا۔

''امریکہ میں کیمپس شوٹنگ کے واقعہ نے دنیا بھر میں غم کی لہر دوڑ ا دی۔ دنیا بھر کے راہنماؤں نے اس پر اظہار افسوس کیا۔ مرنے والوں کے لواحقین سے تعزیت اور زخمی ہونے والوں کے لیے دعائے صحت کی گئی۔شوسیونگ یائی کا تعلق جنوبی کوریا سے تھا۔ جنوبی کوریا کے صدر روہ موہانگ نے کہا کہ وہ جس طرح سے صدمے سے دوچار ہوئے ہیں، الفاظ میں وہ کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔ مجھے اس بات نے شدید رنج سے دوچار کیا ہے کہ اس سارے سانحے کا ذمہ دار میرے ملک کا ایک فرد ہے۔ میں صدر بش، امریکی عوام اور متاثرہ خاندانوں سے اظہار افسوس کرتا ہوں۔ وزارت خارجہ نے کہا کہ انہیں اس واقعہ سے کوریائی باشندوں کے خلاف انتقامی کارروائی کا خدشہ ہے۔ ہم نے امریکہ میں ان کے لیے ضروری حفاظتی بندوبست کیا ہے۔آج کا امریکہ اسی گن کلچر کی وجہ سے پریشان ہے۔'' ۱۱۷

پوپ بنی ڈکٹ نے بھی پیغام میں کہا کہ انہیں گہرا صدمہ ہوا ہے۔ برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر نے برطانیہ کی طرف سے گہرے دکھ کا اظہار کیا لیکن انہوں نے امریکہ کے گن کلچر پر کوئی بات کرنے سے انکار کردیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ امریکہ کے حالات ہیں، امریکیوں کا معاملہ ہے۔وہی اسے دیکھیں۔ ایران نے بھی اس واقعہ پر اظہارافسوس کیا اور اسے انسانی اقدار پر حملہ قرار دیا ہے۔

امریکی اخبار نے قاتل کی تحریر کے چند اقتباسات ہی جاری کیے۔جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے بڑے غصے اور اشتعال کی حالت میں تھا۔ اس نے اس واقعہ کی پوری تیاری کی تھی۔ اس کا اشتعال فوری نہیں تھا لیکن اس سارے واقعے کی اصل وجہ کیا تھی۔اس بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے۔

موبائل فون اور انٹرنیٹ کے معاشرتی اثرات

آج کل نوجوانوں کا موبائل فون اور انٹرنیٹ کے ساتھ ایسا گہرا رشتہ بن چکا ہے جیسا جسم کے ساتھ روح کا۔ گویا یہ نظام زندگی کا اہم حصہ ہی نہیں بلکہ طرز حیات بن چکا ہے۔

ہر گلی محلے میں انٹرنیٹ کیفے بن چکے ہیں، جہاں پر ویسے ہی بھیڑ موجود ہوتی ہے جیسے چائے خانوں اور چھپر ہوٹلوں میں موجود ہوتی تھی۔نوجوان نسل کا ایک سیلاب ہے جو ان جگہوں پر مخرب اخلاق سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے اور معاشرہ کچھ بھی نہیں کر پا رہا بلکہ یہ تسلی دی جاتی ہے کہ کمپیوٹر کورس کے لیے جا رہے ہیں۔کل تک یہ نسل اپنے مطالعہ اور صحت مند سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ آج قلم کی بجائے (Mouse) اور موبائل پکڑے نظر آتی ہے۔مشرقی تہذیب میں خط لکھنا طرز امتیاز سمجھا جاتا تھا اب یہ باعث تضحیک بنتا جارہا ہے۔ گھر میں جمع شدہ یہ خطوط تاریخی دستاویز بن جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب کے تشکیل کردہ کتب خانوں میں لاکھوں مخطوطات آج بھی محفوظ ہیں۔

لیکن آج کے مشینی دور نے نوجوانوں کے ہاتھوں سے قلم اور کاغذ چھین کر ان کا جسم اور ان کی سوچ اغوا کرلی ہے اور ان کی عفت وعصمت کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔ملکی یا دفتری سطح پر کمپیوٹر نظام اور انٹرنیٹ کی افادیت سے کوئی بھی

۱۱۷۔ مرزا محمد الیاس، ماہنامہ آئین، ورجینیا یونیورسٹی میں قتل عام، ص: ۴۲، جون ۲۰۰۷ء

ذی ہوش انسان انکار نہیں کرسکتا لیکن معاشرتی سطح پر اس نظام سے انسانی اخلاق و کردار پر جس طرح کے منفی اور غیر انسانی اثرات پڑ رہے ہیں اس کی مثال نہیں ملتی۔اس نظام نے ہماری تہذیب کو حبس زدگی، مادہ پرستی، درندگی اور خودغرضی کے کڑوے کسیلے پھل عطا کیے ہیں۔

انٹرنیٹ کا گندہ تالاب اب ہمارے گھروں میں براہ راست گرنے لگا ہے۔ اس کی پچاس ہزار سے زیادہ ویب سائٹس کو شاید مخرب اخلاق کہنا بھی درست ہوگا کیونکہ اس کے ذریعے انسانی سماج کی اخلاقیات کو تباہی و بربادی کی عمیق کھائی میں گرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق 20 ملین سے زائد افراد Porn sites کو استعمال کررہے ہیں۔ اندھوں کے اس عالمی گاؤں میں 70 فیصد سے زائد والدین اس سے بے خبر ہیں کہ ان کے بچے قابل اعتراض سائٹس سے مسلسل 'مستفیض' ہورہے ہیں۔اب صورت حال یہ ہے کہ انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں میں جو لوگ قابل اعتراض سائٹس سے دور بھاگتے ہیں ان کو بھی اس میں ملوث کرنے کی مہم چھیڑ دی گئی ہے۔ پورنوگرافرز مختلف خوبصورت ناموں سے Users کے میل ایڈریس پر قابل اعتراض سائٹس کی معلومات بھیجتے رہتے ہیں۔ان ناموں میں Disney Barbieاور ESPN جیسے برانڈ ناموں کا استعمال کیا جارہا ہے۔حقوق انسانی کے نام نہاد علمبردار ان پر کیا یہ واضح نہیں ہے کہ پوری دنیا میں دوملین سے زائد بچوں کا جنسی استحصال پورنوگرافی کے ذریعے کیا جارہا ہے۔

اس بارے میں محترم عارف اقبال رقم طراز ہیں:

''واضح ہو کہ انٹرنیٹ اور ای میل کا نظام ایک خفیہ نظام ہے۔ یہ ایک ایسا طرز حیات ہے جو علیحدگی پسندی کو نشوونما دیتا ہے۔کل تک محکمہ ڈاک کے ذریعے آنے والے کسی خط سے گھر کا ہر فرد واقف ہوتا تھا یا کم ازکم مکتوب نگار کی شخصیت ضرور معلوم رہتی تھی جبکہ ای میل کے خفیہ نظام نے اب اس صورت حال کو یکسر تبدیل کردیا ہے۔ اب کسی بھی میل ایڈرس پر 70 سے زائد Unisolicitede mails بھیجے جارہے ہیں۔جس میں شرمناک اور قابل اعتراض مواد کے علاوہ قمار بازی اور دھوکہ وفریب دینے والی میل کی بھرمار ہوتی ہے۔ اگر کوئی ان میلوں کو دیکھنے کے لیے وقت صرف کرے تو شاید صبح سے شام ہوجائے اور یہ سلسلہ ختم نہ ہو نیز ان بھیجی گئی میلوں میں سے اگر کوئی کسی میں الجھ یا پھنس گیا تو ذہنی توازن بھی کھوسکتا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے پھیلائے گئے اس خفیہ اور فریب میں مبتلا کرنے والے حسن جمال کی سحر انگیزی اتنی دلفریب ہے کہ اسے نشہ آور اشیاء سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن کہا جاسکتا ہے۔ اس نظام نے مشرقی علوم وفنون اور ثقافت پر ایسی یلغار کی ہے کہ اس سے پیچھا چھڑوانا تو دور کی بات کردار اور عزت وعصمت کو بھی تحفظ حاصل نہیں، بس اللہ ہی حافظ ہے''۔[۱۱۸]

اس ساری صورت حال کے پیش نظر دنیا بھر کے مہذب معاشرے اپنی نئی نسل کو بچانے کی فکر میں غلطاں و پریشان ہیں کہ انٹرنیٹ استعمال کرنے والی نسل کو کس طرح سے تحفظ فراہم کیا جائے۔ مگر اصل سوچ بچار تو اس نئی نسل کو خود کرنا ہے

۱۱۸۔ عارف اقبال، ای میل طرز حیات کے معاشرتی اثرات، ''سہ ماہی اردو بک ریویو'' نئی دہلی، جنوری، مارچ ۲۰۰۸ء

جس کے ہاتھ میں مستقبل کی زمام کار ہے۔قائدانہ رول ادا کرنے کے لیے اور کاری ضرب لگانے کے لیے بے داغ شباب کا ہونا اور گہرے علوم وفنون سے متصف ہونا ضروری ہے۔اس سلسلے میں سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے۔

نظام اخلاق و معاشرت کی بربادی کا اصل ذمہ دار نفس امارہ ہے۔ جو انسانوں کو برائیوں پر آمادہ کرتا ہے اگر اسے دبادیا جائے تو وہ کامیاب ہوجاتا ہے اور اگر ان خواہشات نفس کو کھلی چھوٹ دے دی جائے تو نفس انسانی کے ساتھ ساتھ معاشرے بھی تباہ ہوجاتے ہیں۔محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی نفسیات انسانی کا ماہر تھا اور نہ نباض امراض اخلاق،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ معیار اخلاق میں اساس کا درجہ رکھنے والی ایک اخلاقی قدر حیا (Modesty) ہے۔آج معاشرہ جس اخلاقی زوال سے گزر رہا ہے اس کے پیچھے فقدان کا عنصر غالب ہے۔کسی مریض کا سب سے بڑا المیہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرض سے بے خبر ہی نہیں بلکہ انکاری ہوتا ہے لیکن اگر مریض کو اپنے مرض سے پیار ہوجائے تو اس کی بدنصیبی کا اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔مغرب بے حیائی کے مرض سے انکار سے آگے بڑھ کر پیار کرنے لگ گیا ہے۔

مصنف آگے بڑھ کر حیا کی تعریف میں لکھتے ہیں :

> ''حیا بظاہر تین حرفوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن یہ اسلام کے اخلاقی نظام کی ساری روح اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اخلاقی معیارات کا نچوڑ ہے۔اس کی وسعتیں، سوچ اور فکر رجحانات اور میلانات اور رویوں اور اظہارات کے انتہائی وسیع دائروں پر محیط ہیں۔ یہ ایمان سے صیقل،شعور اور ضمیر کی وہ اخلاقی آڑ اور بندش ہے جسے توڑ دیا جائے تو پھر کوئی اور چیز نہیں جو بے حیائی اور برائی کے راستے میں رکاوٹ بن سکے۔اسی لیے حیاء کو ایمان کا حصہ اور بے حیائی کو اخلاقی بگاڑ کا اصل سبب قرار دیا گیا ہے۔''۱۱۹

انسانیت خواہشات کی غلامی میں اسفل سافلین میں گرتی چلی جاتی ہے۔موجودہ مادہ پرست تہذیب نے بھی انسان کو ضبط نفس کا خوگر بنانے کی بجائے اس کو خواہشات کے گھوڑے کا غلام بنادیا ہے جو اس کو اپنے پیروں تلے روندرہی ہے۔ قرآن نے اس کی تصویر یوں کھینچی ہے۔

> ﴿ اَفَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰٮهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴾۱۲۰
>
> ''بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرالیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو اور راہ سے بچلا دیا اس کو اللہ نے جانتا بوجھتا اور مہر لگادی اس کے کان پر اور دل پر اور ڈال دی اس کی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اس کو اللہ کے سوا سو کیا تم غور نہیں کرتے''۔

اسی مادہ پرستانہ تہذیب کی دلدل میں آخرت کا تصور گھنا ہوتا چلا جاتا ہے اور اعلیٰ مقاصد نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں اور عیش کوشی اور لذت پرستی ہی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام اخلاق

۱۱۹۔ منیر احمد خلیلی ،محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اخلاقی معیارات ،ص۲۰، ۲۱ ۱۲۰۔ الجاثیۃ ۴۵: ۲۳

اپنی معاشرت کے لیے تجویز کیا اس میں ضبط تہذیب نفس، عفت و حیا، عالی حوصلگی اور عدل وانصاف کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اگر ان سے معاشرہ چشم پوشی اختیار کرے گا تو ہم بھی اسی پستی میں گرتے چلے جائیں گے۔ جہاں مغربی معاشرے کھڑے ہیں۔ انسانیت کی فلاح اور اخلاقی قدروں کی بقاء کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ انسان کو خواہشات کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں دے دیں۔

''تہذیب حاضر کا سیلاب ہماری سرحدوں سے پوری شدت سے ٹکرا رہا ہے۔ ہم اپنی اخلاقی اقدار کی حفاظت اور اپنی تہذیبی روایات کے دفاع میں جتنی غفلت برتیں گے اور ہمارے تربیتی نظام میں جوں جوں ضعف آتا جائے گا اس بلاخیز سیلاب کی تندوتیز لہریں ہمارے معاشرے کی بنیادوں کو اکھیڑتی جائیں گی۔ تہذیبوں کی حفاظت سے بے پروا قومیں صرف اپنی شناخت ہی سے محروم نہیں ہوا کرتی ہیں، اپنے وجود کو بھی مٹا بیٹھتی ہیں۔ اس سے قبل جو تہذیبیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں ان کے مٹنے کا عمل اس طرح شروع ہوا تھا کہ اخلاقی اقدار، معاشرتی روایات، اجتماعیت کے زریں اصول، اور ثقافتی آثار کی ایک ایک اینٹ الگ ہونا شروع ہوئی اور وہ اس ایک ایک اینٹ کی اہمیت سے بے خبر ہو کر تخریب و زوال کے اس عمل کا بڑی بے حسی کے ساتھ تماشا دیکھتی رہیں۔ جو اینٹ سرکتی تھی اس کو اپنی جگہ پر جمانے کے بجائے اغیار کی تہذیب کی چمکتی اینٹوں کو اٹھا اٹھا کر نکلی ہوئی اینٹوں کی جگہ فٹ کرتی گئیں''۔[۱۲۱]

اب اگر یہ روایات کہیں دم توڑتی نظر آتی ہیں اور اجتماعی و معاشرتی زندگی اور خانگی و ازدواجی ماحول ان پھولوں کی خوشبو سے خالی ملتا ہے تو اس کی دو ہی وجوہ ہوسکتی ہیں۔ایک دینی روح کا کم ہونا اور اخلاقی خوبیوں کے چراغ گل ہونا اور دوسری وجہ مغربی تہذیب کے طوفان کا کچھ گھرانوں کے اندر تک تباہی مچا دینا ہے۔ دونوں وجوہ کا ایک ہی مداوا ہے۔ اغیار کی تہذیبی چکاچوند سے متاثر ہو کر اپنی ملی عظمتوں سے آنکھیں بند نہ کی جائیں۔ اپنی تہذیبی وثقافتی روایات واقدار کی قدر و قیمت کو پہچان کر ان کی حفاظت کا عزم کیا جائے۔ تہذیبی روایات اور اخلاقی اقدار کے سرمائے کو محفوظ رکھنے کی اصل جگہ گھر اور خاندان ہی ہے اور وہی اس سرمائے کی نگہداشت اور اس محاذ کے دفاع کے ذمہ دار ہیں۔

۱۲۱۔ منیر احمد خلیلی، خاندانی نظام، ''اس نشیمن کو بچانے کی فکر کیجئے'' ص ۴۷